مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۰ | ذی الحجہ سنہ ۱۴۴۰ھ | اگست ۲۰۱۹ء | شمارہ ۸

روح الارواح

بغیر حیل و حجت احکامِ الٰہی کا اتباع کرنا سب اعمال کی روح ہے

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۴۰ روپے | زر سالانہ =/۴۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور
35422213
35433049
پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ: روح الارواح

(بغیر حیل وحجت احکامِ الٰہی کا اتباع کرنا سب اعمال کی روح ہے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ وعظ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے ۸/شوال ۱۳۳۳ھ کو جمعہ کے روز تین گھنٹے ۸ منٹ جامع مسجد تھانہ بھون میں بیٹھ کر ارشاد فرمایا۔ مولانا عبدالحلیم صاحب نے اسے قلم بند فرمایا سامعین کی تعداد دوسوتھی۔ مذکورہ وعظ میں ان لوگوں کی غلطیوں پر متنبہ کیا ہے جو ہر مسئلہ کی حکمت وعلت کے بارے میں سوال کرتے رہتے ہیں کہ پانچ نمازیں فرض ہونے میں کیا حکمت، روزہ اور زکوٰۃ کی فرضیت کی کیا علت وحکمت ہے۔ سب کا جواب دیا کہ اللہ کے ہر حکم میں حکمت ہے ہمیں نہیں معلوم اگر معلوم ہے تو ہم نہیں بتاتے کیونکہ بتانے میں نقصان ہے، عبادات اس لیے کرو کہ اللہ کا حکم ہے پھر اللہ پاک اسرار وحکم پر خود جتنا تمہارے لیے مناسب سمجھیں گے آگاہ کردیں گے۔ دوسرے ان لوگوں کی غلطی کی نشاندہی کی ہے جنہوں نے عبادات کے صرف ظاہری صورت پر عمل کیا اس کی اصل روح کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جنہوں نے تصوف کا لبادہ اوڑھ کر یوں کہا کہ نماز کا اصل مقصود توجہ الی اللہ اور روزہ کا مقصود کسر قوت بہیمیہ ہے اس کو اختیار کرو ظاہری نماز روزہ کی ضرورت نہیں اسی طرح ہر عبادت کی بزعم خود ایک روح نکالی اور اس پر عمل پیرا ہوکر ظاہری صورت کے تارک ہوئے۔ حضرت تھانویؒ نے اس وعظ میں اسی قسم کی غلطیوں کو تفصیل سے بیان کرکے ان کی اصلاح کا طریقہ بتایا ہے کہ تمام احکامات پر اس لیے عمل کرنا چاہئے کہ یہ مالک کا حکم ہے، یہی بات تمام عبادات کی روح کی روح ہے اسی وجہ سے وعظ کا نام روح الارواح رکھا گیا۔ چنانچہ محققین علماء عبادات کی ظاہری صورت جیسے نماز کے ارکان وغیرہ کا بھی اہتمام کرتے ہیں اور روح وباطن یعنی توجہ الی اللہ کا بھی اہتمام کرتے۔ بہت ہی عمدہ وعظ ہے تمام قارئین کے لیے انتہائی مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

خلیل احمد تھانوی

۲۰۱۹-۰۴-۲۴

روح الارواح

(بغیر حیل وحجت احکامِ الٰہی کا اتباع کرنا سب اعمال کی روح ہے)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱........	تمہید..	۹
۲........	بعض غیر علماء کا اپنے کو علماء میں شمار کرنا........................	۱۰
۳........	عدمِ علم سے علمِ عدم لازم نہیں........................	۱۱
۴........	احکام شرعیہ میں مصالح کی تحقیق........................	۱۱
۵........	مصالح شرعیہ کی بحث میں نہ پڑنا سلامتی کا طریق ہے..........	۱۲
۶........	مصالح سے بحث نہ کرنا مقتضا محبت کا بھی ہے............	۱۳
۷........	بے ضرورت بحث سے اعراض کی ایک تمثیل........................	۱۳
۸........	تحقیق لِم کا محل اور غیر محل........................	۱۵
۹........	اقربیت حق تعالیٰ کی ایک عام فہم تقریر........................	۱۶
۱۰........	سوال کرنے کے قبل ایک مفید مراقبہ........................	۱۷
۱۱........	بیان تفاوت در بیان اہل الفاظ واہلِ تحقیق........................	۱۹
۱۲........	شیخ ابن عربی وامام رازی کی حکایت........................	۲۲
۱۳........	اہل قال واہل حال کے علاج میں فرق........................	۲۲
۱۴........	عشق الٰہی کا کمال........................	۲۳
۱۵........	اہل اللہ کا طریقہ علاج........................	۲۴
۱۶........	امام غزالی کا سوال........................	۲۴

۱۷........ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم لطیف ۲۵
۱۸........ حکمت سے بحث کرنے والوں کا ایک عذر اور اس کا جواب ۲۵
۱۹........ علماء کے اخلاق نے عوام کو جری کر دیا ۲۶
۲۰........ حضرت تھانویؒ کے حکیمانہ جوابات ۲۶
۲۱........ اطاعت کاملہ کی برکت سے اکثر حکمتیں بھی معلوم ہوجاتی ہیں ۲۸
۲۲........ صدیقیت کی حقیقت ۲۹
۲۳........ اہل کمال کی پہچان میں کس قلب کی شہادت معتبر ہے ۳۰
۲۴........ بناوٹی پیر کا علاج ۳۰
۲۵........ عوام کا اعتقاد باطل ۳۱
۲۶........ اطاعت سے کشف اسرار کی شرط ۳۳
۲۷........ مصالح باطنہ کے متعلق اہل ظاہر و اہل باطن کی غلطیاں ۳۴
۲۸........ اہل ظاہر و اہلِ باطن کی غلطیوں پر ایک تفاوت عظیم ۳۵
۲۹........ روح الاعمال کے درجات ضعیفہ سے کوئی عمل اہل ظاہر کا خالی نہیں اور اس کی مثال ۳۶
۳۰........ مدعیان باطن کے پاس ظاہری اعمال کا باطن بھی نہیں کیونکہ نماز کی روح مطلق توجہ نہیں بلکہ خاص وہی توجہ جو نماز کے ضمن میں ہو ۳۸
۳۱........ مدعیان باطن کا حال ۳۹
۳۲........ ولایت کی مشابہت شعبہ نبی پر ہے ۴۰
۳۳........ مغلوب الحال لوگوں کا نہ اقتدا کیا جاوے ۴۰
۳۴........ طریقہ باطن میں تلبیسات ۴۱

۳۵........ حضرت حاجی شاہ امداد اللہ صاحب کی شان تحقیق کا بیان........ ۴۲
۳۶........ ایک رسالہ کا خلاصہ اور اس کا صحیح نہ ہونا........ ۴۲
۳۷........ الفاظ شریعت وطریقت وحقیقت........ ۴۳
۳۸........ محض ظاہر والا محض باطن والے سے اچھا ہے........ ۴۴
۳۹........ اہلِ باطن کے اقوال کی توجیہ........ ۴۴
۴۰........ بعض حالات عذر کی تعیین........ ۴۵
۴۱........ کاملین کا حال........ ۴۶
۴۲........ اولیاء اللہ کی مختلف شانیں........ ۴۷
۴۳........ حضرت گنگوہی کے ایک مرید کا حال........ ۴۸
۴۴........ شیخ کامل سے وابستگی کی ضرورت اور انکا اصلی کمال........ ۴۹
۴۵........ حضرت حاجی صاحب کے مبصر ہونے کے بعض تذکرے........ ۵۰
۴۶........ خوف خدا کی برکت........ ۵۳
۴۷........ تکلیف بقدر عقل........ ۵۴
۴۸........ عامی کے ایمان کا امتحان........ ۵۵
۴۹........ معاملہ معذورین........ ۵۵
۵۰........ خلاصہ فیصلہ اختلافات اہل ظاہر واہل باطن اور مسئلہ مذکورہ معرکۃ الآرا وخاتمہ بحث بالا........ ۵۵
۵۱........ ذبح کے خلاف ترحم وخلاف عشق ہونے کا جواب........ ۵۷
۵۲........ باوجود ترحم طبعی کے حکم الٰہی بجالانا عین عبدیت ہے........ ۵۸
۵۳........ مسلمانوں کو بے رحم کہنے کا جواب........ ۵۹
۵۴........ ایک حکایت جس میں فرار من الطاعون کے مذموم ہونے کی دلیل ہے........ ۵۹

۵۵........ اصول کا عقلی ہونا ضروری ہے پھر اس کے ثبوت کے بعد فروع
کی عقلیت کا انتظار نافرمانی ہے.. ۶۰
۵۶........ ہر حکم کا مطالبہ دلیل قرآنی سے باطل ہے........................ ۶۱
۵۷........ تحقیقی اور تلبیسی تقریر کے اثر میں فرق پھر کچھ اور سوال کرنا........ ۶۲
۵۸........ بجائے قربانی کے دام دینے میں بعض اہل حال کی غلطی.......... ۶۲
۵۹........ بعض کا مسخر قربانی کی سواری بننے میں ایک اور حکایت اس کی نظیر میں........ ۶۳
۶۰........ اخبار الجامعہ.. ۶۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وبارك وسلم اما بعد:

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

{لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ ط کَذٰلِكَ سَخَّرَھَا لَکُمْ لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ ط وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ}(۱)

تمہید

یہ ایک آیت ہے سورۂ حج کی حق تعالیٰ جل شانہ وعم نوالہ نے اس مسئلہ اضحیہ یعنی قربانی کے متعلق جو دومختلف گروہ دومختلف غلطیاں کرتے ہیں ان کا فیصلہ فرمایا ہے اور فیصلہ بھی نہایت عجیب وغریب کہ جس سے عوام تو عوام، خواص بھی غافل ہیں خواہ وہ خواص اہلِ ظاہر میں سے ہوں یا اہلِ باطن سے، حق تعالیٰ نے اس آیت میں ان دونوں جماعتوں کی اصلاح اور ترمیم فرما کر ایک نہایت تحقیقی فیصلہ فرمایا ہے۔ اس مضمون کو یعنی قربانی کی روح کو شوال کے شروع میں وعظ (۲) روح الحج والثج میں بضمن احکام حج کے بیان کرچکا ہوں، گو اس عنوان خاص سے نہیں اور میں نے اس وقت یہ بھی کہا تھا کہ جمعہ قریبہ ذی الحج میں اس کا بیان نہیں کیا جاویگا بلکہ قربانی کے احکام فرعیہ بیان کئے جاویں گے

---

(۱) ''یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون ولیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارا مسخر کردیا تاکہ تم اللہ کی راہ میں قربان کرکے اس بات پر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تم کو (اس طرح قربانی کرنے کی) توفیق دی اے محمد ﷺ آپ اخلاص والوں کو خوشخبری سنادیجئے)'' سورۃ الحج:۳۷ (۲) پہلے وعظ جداگانہ شائع ہوا تھا اس مرتبہ ہم نے مجموعہ ہفت اختر کے ساتھ شائع کردیا ہے۔

لیکن اتفاق سے قلب میں پھر حرکت ہوئی (۱) کہ ویسا ہی مضمون پھر بیان کیا جاوے گا گو اس کا عنوان اس بیان سابق کے عنوان سے بدلا ہوا ہوگا لیکن حقیقت اور معنون اس بیان کا اور اس بیان کا ایک ہی ہوگا اب اس فیصلے کے سننے کے قبل ان غلطیوں کو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ کون کون سی ہیں۔ سو وہ غلطیاں ایک مسئلہ میں واقع ہوئی ہیں، دو قسم کے علماء کے درمیان میں یعنی بعض علماء ظاہر و بعض علماء باطن۔

بعض غیر علماء کا اپنے کو علماء میں شمار کرنا

اور افسوس ہے کہ علماء ظاہر کے گروہ میں آج کل بعض ایسے لوگ بھی اپنے آپ کو شامل کرنے لگے ہیں، جن کو علم سے کچھ بھی مس نہیں (۲) مگر نہ معلوم وہ اپنے کو کیا سمجھتے ہیں ایسے لوگ اپنے حوصلہ سے زیادہ دعویٰ کرنے لگے ہیں اور بہت دور تک ان کی دست درازی (۳) کی نوبت پہنچ گئی ہے۔ اس لیے ہم کو مجبوراً دست اندازی کی ضرورت پڑی اور ایسے لوگوں نے صرف دنیوی امور ہی میں نہیں بلکہ دینی امور میں بھی اپنی رایوں کو دخل دینا شروع کر دیا ہے۔ وہ اپنے زعم باطل میں یہ سمجھتے ہیں کہ جب ہماری رائے دنیوی امور میں قابل تسلیم ہے تو دینی امور میں بھی کیوں نہ صائب (۴) سمجھی جاوے۔ ان کی دست اندازی دنیوی امور میں تو خیر کوئی ایسی قابل لحاظ نہیں ہے مگر ہاں دینی امور میں ضرور قابل لحاظ ہے اس زمانہ میں طبیعتیں کچھ ایسی شوخ (۵) ہوگئی ہیں کہ جس چیز میں چاہا بے باکانہ دخل دے بیٹھے، وہ سادگی جو پہلے تھی اب نہیں رہی، پرانے لوگ جس چیز کو نہیں جانتے تھے صاف کہہ دیتے تھے۔ دیکھئے دنیوی فنون میں سے جس فن کو جو نہ جانتا ہو اس کے متعلق کسی سے یہ کہلا لینا کہ میں نہیں جانتا نہایت آسان ہے۔ مثلاً ہم نہایت آزادی کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم محکمہ زراعت کے کام نہیں جانتے ایک بہت بڑا فلاسفر بھی نہایت خوشی بلکہ فخر کے ساتھ کہنے کے لیے تیار ہو جائیگا کہ ہم نہیں جانتے۔ کھاد کس طرح ڈالی جاتی ہے اس کو اس اقرار جہل سے ذرا عار (۶) نہیں آئے گی مگر آجکل کے مدعیان تحقیق سے یہ منوالینا کہ تم دینی دقائق نہیں جانتے بالکل ناممکن ہے بھلا

(۱) دل میں پھر تقاضا ہوا (۲) لگاؤ نہیں (۳) دخل اندازی (۴) درست (۵) بے باک (۶) ناواقفی کے اقرار سے شرمندگی نہیں ہوتی۔

کس طرح مان لیں حضرت کی شان تحقیق میں فرق نہ آجائے گا۔

دین سے مناسبت کچھ اس قدر کم ہوگئی ہے کہ اس عدم مناسبت کو بھی انہیں نہیں سمجھا سکتے، بڑے سے بڑا عالم بھی ایک جگہ پہنچ کر یہ کہدے گا کہ اس سے زیادہ میں نہیں جانتا آگے میں ناواقف ہوں۔ لیکن جاہل نے اگر شروع ہی میں کہد یا تو کہد یا کہ میں ناواقف ہوں لیکن اگر کہیں اول وہلہ میں (۱) اس کے منہ سے نکل گیا کہ میں جانتا ہوں تو بس پھر قیامت تک اسی کو نباہے جائیگا۔ کسی اونچے سے اونچے درجے کے مسئلہ پر بھی وہ نہیں کہے گا کہ میں نہیں جانتا۔ مگر اس کے اصرار سے کہیں حقیقت بدل سکتی ہے۔

عدم علم سے علمِ عدم لازم نہیں

جیسے کہ کسی سیّاح نے امریکہ کا راستہ نہ دیکھا ہو اور تمام روئے زمین کی سیاحت کر کے لوٹا ہو اور امریکہ کا پتہ اس کے بعد دوسرے سیّاحوں نے لگالیا ہو اور اس کے سامنے امریکہ کا ذکر کیا جاوے تو وہ فوراً انکار کر دے گا کہ امریکہ کوئی خطہ روئے زمین پر موجود نہیں کیونکہ ہم سارے روئے زمین کی سیاحت کر آئے ہیں ہمیں کہیں نہیں ملا۔ مگر کیا اس کے اس نفی کرنے سے امریکہ کی نفی ہوسکتی ہے۔ اُس سے یہی کہا جاوے گا کہ تمہارا علم محیط نہیں ہے اور تمہارا احاطہ نہ کرنے سے حقیقت کی نفی نہیں ہوسکتی۔ پس تعجب ہے کہ اس سے امریکہ کا انکار نہ کیا جاوے گا۔ لیکن حقیقت واقعیہ کا انکار کر بیٹھیں۔ غرض خواص کے طبقہ سے نکل کر مدعیین کے طبقہ تک وہ مسئلہ پہنچ گیا اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ اس پر نہایت زور و شور سے گفتگو ہے۔

احکام شرعیہ میں مصالح کی تحقیق

احکام شرعیہ کے اندر حقیقت میں کوئی مصلحت ہے یا نہیں یہ بحث معرکۃ الآرا ہے (۲) کہ احکام شرعیہ کے اندر مصلحتیں بھی ہیں یا کیفما اتفق (۳) جو چاہا حکم مقرر کر دیا۔ مثلاً روزے کا حکم کیا ہے، قربانی کا حکم کیا ہے آیا ان میں کوئی مصلحت ہے یا یوں ہی جو چاہا حکم کر دیا۔ نماز کو فرض کیا ہے آیا اس میں کوئی مصلحت بھی ہے یا ویسے ہی فرض کر دی سو اس

(۱) پہلے مرحلہ میں (۲) یہ بہت بڑی بحث ہے (۳) بلا حکمت جو چاہا حکم دیدیا۔

پر تو سب کا اتفاق ہے کہ احکام میں مصلحتیں ہیں۔ رہی یہ بات کہ وہ مصلحتیں کیا ہیں سو اس کا ایک نہایت عمدہ جواب عرض کرتا ہوں۔لیکن وہ خشک ہوگا وہ یہ کہ ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کیا ہیں اور مغلوب العشق (۱) تو یہی جواب دے گا کہ ہم نہیں جانتے مصلحت کیا ہے۔

مصالح شرعیہ کی بحث میں نہ پڑنا سلامتی کا طریق ہے

لیکن اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں مصلحت سے بحث نہیں نہ یہ کہ ہم کو بالکل ہی معلوم نہیں وہ تو جاننے پر بھی یہی کہے گا جو حضرت حافظ فرماتے ہیں ؂

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار بگذارند وخم طرّۂ یاری گیرند

یعنی بڑی مصلحت یہ ہے کہ سب کو چھوڑ کر بس ایک ہی کو لے لو۔ حضرت نظامیؒ کا ارشاد ہے:

زباں تازہ کردن باقرار تو نینگیختن علت ازکار تو(۲)

کیسی مصلحت کیسی علت۔ ایک اور بزرگ فرماتے ہیں:

زندہ کنی عطائے تو وربکشی فدائے تو دل شدہ مبتلائے تو ہرچہ کنی رضائے تو(۳)

اور ان حضرات عشاق میں جو محقق ہیں ان سے اگر کوئی مصلحت پوچھی جاتی ہے تو ناشکری بھی نہیں کرتے کہ باوجود معلوم ہونے کے یوں کہیں کہ مصلحت معلوم نہیں کیونکہ یہ حضرات صورت کفران (۴) سے بھی بچنا چاہتے ہیں اور یہ بھی ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہمیں مصلحت سے بحث نہیں ہمیں حکم محبوب کی تعمیل سے غرض ہے لہٰذا وہ دونوں جمع کرکے یہ کہتے ہیں:

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلس رنداں خبری نیست کہ نیست (۵)

مصالح سے بحث نہ کرنا مقتضا محبت کا بھی ہے

اور مصلحت کے معلوم کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جس کسی نے عشق کا مزہ چکھا ہوگا وہ جانتا ہوگا کہ کسی نوکر کا محبوب آقا جب اس کو حکم کرتا ہے کہ جاؤ دوڑ کر اچکن

(۱) عشق میں ڈوبا شخص (۴) ناشکری کی صورت سے (۲) ’’بس زبان سے اقرار کرنا چاہیئے کوئی علت نہ ڈھونڈنا چاہیئے‘‘ (۳) ’’زندہ کریں آپ کی عطا ہے اگر قتل کریں آپ پر قربان ہوں دل آپ پر فریفتہ ہوگیا ہے جو کچھ کریں میں ہر حالت میں آپ سے راضی ہوں‘‘ (۵) ’’یعنی کوئی ضروری بات ایسی نہیں ہے جو ہمیں معلوم نہ ہو لیکن مصلحت نہیں الخ کہ اس کو کھلم کھلا ظاہر کریں‘‘

لے آؤ، اصطبل سے گھوڑا تیار کر کے فوراً حاضر کرو۔ ہم فلاں حاکم سے ملنے جائیں گے، وہ اس حکم کی تعمیل کے لیے دوڑ کر جائے گا۔ اب ایسی حالت ہے کہ وہ دوڑا ہوا جا رہا ہے۔ اگر راستہ میں اس سے کوئی پوچھے کہ کیوں دوڑے ہوئے جاتے ہو تو وہ صرف یہی کہہ دے گا کہ مالک نے گھوڑا منگایا ہے، اچکن منگائی ہے۔ اس پر اگر وہ شخص یہ پوچھنے لگے کہ اس حکم میں کیا مصلحت ہے تو کیا وہ اس حکم کی وجہ پر لیکچر دینے لگے گا؟ اور گو اس حکم کی وجہ بھی ضرور ہے اور وہ اس کو جانتا بھی ہے کہ ملاقات حاکم ہے۔ لیکن وہ صرف یہی کہہ دے گا کہ ہمیں وجہ نہیں معلوم یا ہمیں وجہ سے کیا بحث بڑی وجہ ہمارے لیے یہی ہے کہ ہمارے آقا نے حکم دیا ہے وجہ خود آقا سے جا کر پوچھو وہ اس سے زیادہ ایک حرف نہ کہے گا انہوں نے حکم دیا ہے ہم تعمیل کے لیے جا رہے ہیں۔ کیونکہ وہ تو تعمیل کی دھن میں لگا ہے۔ اگر اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ کھڑا ہو کر مصلحت اور وجہ پر لیکچر دینا شروع کر دیا تو معلوم ہوا کہ وہ عاشق نہیں ہے۔ صرف ایک حکیم دانشمند شخص (۱) ہے جو خالی ہے عشق سے، غرض اس کے اس کہنے سے کہ ہمیں وجہ معلوم نہیں یہ معنی ہرگز نہیں کہ مصلحت نہیں ہے یا اُسے معلوم نہیں ہے بلکہ مصلحت بھی ہے اور اسے معلوم بھی ہے لیکن فرصت کس کو ہے کہ محبوب کے مشاہدۂ (دیکھنا) جمال اور اس کے امر کے امتثال (حکم ماننا) سے قطع نظر کرے اور توقف کرے اور تقریر بسیط (مفصل) بیان کرے فرصت ہی کس کو ہے۔

بے ضرورت بحث سے اعراض کی ایک تمثیل

ہمارے حضرت حاجی صاحب نے قطع منازعت (۲) کے لیے عجیب دستور العمل تعلیم فرمایا ہے۔ فرماتے تھے کہ بھائی اگر کوئی شخص تم سے مباحثہ کرے تو تم اس مثل پر عمل کرنا کہ ایک حجام سے ایک شخص نے کہا کہ میری ڈاڑھی کے سفید بال چُن لو منکوحہ جوان عورت ہے اس کو سفید بال ناپسند ہیں کہیں بوڑھا سمجھ کر نفرت نہ کرے۔ جب میاں حجام ان کو لیکر بیٹھے تو اس نے ایک طرف سے شروع کر کے دوسرے کنارے تک پہنچا کر پوری داڑھی صاف کر کے آگے رکھدی اور کہا مجھے کام بہت ہے آپ خود چھانٹ لیجئے مجھے اتنی فرصت نہیں کہ ایک ایک بال چنوں۔ بس اسی طرح جب تم سے کوئی کسی مضمون

(۱) ایک سمجھدار دانا شخص ہے (۲) جھگڑا ختم کرنے کے لیے۔

میں اُلجھے تم سب رطب ویابس (۱) اس کے حوالے کر کے اپنے کام میں لگ جاؤ اور ایسا نہ کرنا علامت اس کی ہے کہ اس کو کوئی کام نہیں۔ بالخصوص عشق ومعرفت سے خالی ہونے کی تو صاف علامت ہے۔ حضرت شیرازی خوب فرماتے ہیں:

چہ خوش گفت بہلولِ فرخندہ خوے　　چو بگذشت بر عارف جنگ جوے (۲)
گر ایں مدعی دوست بشناختی　　بہ پیکار دشمن نہ پرداختی (۳)

منازعت (جھگڑا کرنے) کی فرصت کس کو ہے اگر کسی کی معشوقہ خواہش کرے کہ فلاں وقت آؤ ہم ملنا چاہتے ہیں، مگر نہا دھو کر کپڑے بدل کر آراستہ پیراستہ ہو کر آنا تاکہ بدن اور کپڑوں میں بُو نہ آوے سو وہ جان بھی گیا کہ اس واسطے کپڑے بدلنے کا حکم دیا ہے اور تمام احکام کا امتثال بھی کیا حکمتیں بھی معلوم، مصلحت سے بھی واقف مگر جانے کے وقت کسی نے ہاتھ پکڑ کر دریافت کیا کہ آپ تو ژولیدہ (پریشان) حال پھرا کرتے تھے آخر اس تغیر کی کیا وجہ حالانکہ وہ وجہ اور وجہ کی وجہ سے بھی واقف ہے لیکن اگر وہ مشاہدہ محبوبہ کا مشتاق ہے تو کیا وہ وقت کو کھوٹا کرے گا (۴) اور وجہ پر لیکچر دینا شروع کرے گا۔ یا ہاتھ چھڑا کر کہے گا کہ میں نہیں جانتا یا میں نہیں بتاتا اور جا کر محبوبہ کے سامنے بیٹھ جائیگا، اگر اس نے لیکچر دینا شروع کیا تو معلوم ہوگا کہ اس کو محض حکیمانہ محبت ہے عاشقانہ محبت نہیں ہے، اسی طرح اگر کوئی اہل اللہ سے الجھتا ہے اگر وہ واقعی طالبِ حق ہو اور اس کا منصب بھی تحقیق کا ہو اور بات بھی قابلِ تحقیق ہو تو افادہ سے دریغ بھی نہیں کرتے ورنہ وہ یہ کہہ کر کہ ہم نااہل ہیں ہم کچھ نہیں جانتے اپنے محبوب کی طرف مسافت قطع کرنے (۵) میں مشغول ہو جاتے ہیں یعنی ذکر اللہ وطاعت میں لگ جاتے ہیں اس کا ذرا بھی خیال نہیں کرتے کہ لوگ سمجھیں گے کہ یہ کچھ نہیں جانتے اُنہیں اس کی پرواہی کیا ہے اور واقعی جو ضروریات میں مشغول ہوگا اس کو فضولیات کی کب فرصت ہوگی۔

چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے جب بلخ کی سلطنت کو ترک

(۱) تمام اقوال ومباحث اس کے سامنے رکھ کر کہہ وخود چھانٹ لو (۲) ''بہلول مبارک خصلت نے کیا اچھی بات کہی جبکہ وہ ایک عارف جنگ جو پر گزرے'' (۳) ''اگر اس مدعی کو اللہ تعالیٰ کی معرفت ہوتی تو دشمن کے ساتھ لڑائی میں مشغول نہ ہوتا'' (۴) وقت ضائع کرے گا (۵) محبوب کی راہ طے کرنے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

کردیا تو ان کے وزیر نے ایک روز حاضر ہوکر عرض کیا کہ حضور سلطنت تباہ ہورہی ہے رعایا سخت پریشان ہے درویشی کے ساتھ بھی تو سلطنت ہوسکتی ہے آپ نے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ جب تک کوئی فکر دماغ میں ہوتی ہے تو دوسرا کام خوش اسلوبی کے ساتھ ہو نہیں سکتا۔ اگر تم اس فکر کو رفع کردو تو البتہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ سلطنت کا انتظام اپنے ہاتھ میں پھر لے لوں گا وزیر نے سمجھا کہ کوئی ایسی معمولی فکر ہوگی۔عرض کیا کہ حضور ارشاد فرمائیں۔ دل وجان سے ہم لوگ اس فکر کے زائل کرنے کی کوشش کریں گے۔حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ (یعنی ایک فریق جنت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں) مجھے یہ فکر پریشان کئے ہوئے ہے کہ میں کون سے فریق میں ہوں گا۔تم اس سے بے فکر کردو۔ وزیر یہ سن کر دنگ رہ گیا وہ ان کی فکر کے زوال کی تو کیا کوشش کرتا اسے اپنی وزارت سے وحشت ہوگئی اور خود اسی کو فکر دامنگیر ہوگئی۔ یہ فکر تو باعتبار محبت ومعرفت کے ہے جو تفتیش مصالح کو بیکار بتاتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی عظمت وحکومت کے حقوق پر نظر کی جاوے اس کا مقتضا بھی یہی تفتیش مصالح کا ممنوع ہونا ہے(۱)۔ چنانچہ ظاہری سلطنت کے قوانین یقیناً متضمن (شامل) مصالح ہیں اور ان احکام کی لِم (علت،سبب) کو مجلس واضعانِ قوانین (قوانین بنانے والی مجلس) ضرور جانتی ہے اور انہوں نے اس کو سمجھا بھی ہے اور انہیں کو سمجھنا ضروری بھی ہے۔لیکن عام رعایا پر صرف عمل کرنا واجب ہے اور عمل کے لیے لِم (علت،سبب) کے معلوم کرنے کی ان کو کوئی ضرورت نہیں۔ ہمارے لیے تو صرف یہی کافی ہے کہ سلطنت وقت کا حکم ہے اور سلطنت وقت کا حکم واجب العمل ہوتا ہے لہٰذا ہم کو عمل کرنا چاہیئے۔ اے اللہ یہ عجیب بات ہے کہ سلاطین کے احکام پر عمل کرنے کے لیے تو ہمیں صرف اتنا ہی سمجھ لینا کافی ہو کہ یہ سلطنت وقت کے احکام ہیں اور خدائے تعالیٰ کے احکام میں حکمتیں تلاش کی جائیں اور جب تک حکمت نہ معلوم ہو ان پر عمل نہ ہو۔

تحقیق لِم کا محل اور غیر محل

مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہر طالب علمی کہ چون وچرا نہ

(۱) احکام شریعت کی مصلحتوں اور علتوں کو تلاش کرنے میں لگنا ممنوع ہے۔

کند وہر درویشی کہ چون و چرا کند ہر دو رابچر اگاہ باید فرست (جو طالب علم چون و چرا نہ کرے اور جو درویش چون و چرا کرے دونوں کو چراگاہ میں بھیجنا چاہیئے)۔

طالب علم سے مراد وہ شخص ہے جو تحصیل علم میں مشغول ہو مثلاً ایک شخص طب پڑھتا ہے اس کو تو تحصیل کے وقت چون و چرا واجب لیکن اگر مریض چون و چرا کرے تو وہ کان پکڑ کر مطب سے نکال دینے کے قابل ہے۔ درویش سے مراد عامل ہے اس کو عمل چاہیئے۔ تحقیق اس کی دلیل یا علت کی اس کو ہرگز مناسب نہیں اور طالب علم سے مراد جو فن سیکھ رہا ہے مثلاً فقہ پڑھنے کے وقت لِمَ وکَیفَ (کیوں اور کس طرح) ضروری ہے اور وہ بھی اسی قدر جو فقہ کے مناسب ہے لیکن جو شخص قربانی کرنا چاہتا ہے اس کو خود دلیل ہی پوچھنا ایک لایعنی (بے فائدہ) بات ہے اور یہ پوچھنا کہ اس میں کیا حکمت ہے یہ تو بڑی بے عظمتی حق تعالیٰ کے حکم کی ہے اور بڑی بے وقعتی اور گستاخی ہے تو اگر کوئی رعایا حدود ہندوستان میں احکام گورنمنٹ کے مصالح میں گفتگو کرے، تو ہے تو گستاخی لیکن جرأت کی گنجائش اس لیے ہو سکتی ہے کہ یہ ممکن ہے کہ اس گستاخی کی خبر شاہ جارج پنجم کو نہ ہو۔ لیکن اللہ میاں تو یورپ میں نہیں ہیں وہ ہماری ذات سے بھی زیادہ ہم سے نزدیک ہیں جیسا کہ منصوص (۱) ہے خود فرماتے ہیں نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ الخ (۲) یعنی میں تمہاری جان سے بھی زیادہ تم سے نزدیک ہوں۔

اقربیت حق تعالیٰ کی ایک عام فہم تقریر

یہاں میں اس کے متعلق ایک موٹی بات بتلائے دیتا ہوں جس سے یہ ایک مسئلہ کشفی بالکل بدیہی اور محسوس ہو جاوے۔ ایک موٹی تقریر سے سمجھائے دیتا ہوں یعنی تم جو اپنی ذات سے نزدیک ہو، تو اپنے وجود اور ہستی کے سبب نزدیک ہو۔ لیکن خود تم میں اور ہستی میں جو علاقہ ہوا ہے وہ کیسے ہوا؟ آیا بلا واسطہ یا بواسطہ، سو ہستی بلا واسطہ تو صرف خدا کی ذات کے لیے ثابت ہے کہ واجب الوجود ہے آپ کی ہستی تو واسطہ کی محتاج ہے اور واسطہ کو بہ نسبت ذی واسطہ زیادہ قرب ہوا کرتا ہے۔ مثلاً دو کاغذ گوند سے چپکا دیئے گئے

(۱) قرآن میں ہے (۲) سورۂ ق:۱۶۔

ہیں وہ ایک دوسرے سے اتنے قریب نہیں بلکہ گوند جو کہ واسطہ ہے وہ زیادہ قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ مثال سے پاک ہیں۔ لیکن آخر میں کس طرح تمہیں سمجھاؤں۔ پس جب اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہاری ہستی کے درمیان واسطہ ہیں تو وہ ہستی سے زیادہ قریب ہوئے اور یہی حاصل تھا تمہارے ساتھ بہ نسبت تمہاری جان ہونے کا۔ پس تم سے اتنے قریب ہوئے جتنے کہ خود تم بھی اپنے قریب نہیں جیسا کہ گوند کی مثال میں سمجھایا گیا یہ بہت موٹی بات ہے کہ کوئی قیل وقال (۱) کی گنجائش نہیں، حاصل یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم میں اور تمہاری ہستی میں علاقہ پیدا نہ کریں تو تم کچھ بھی نہیں۔ اسی کے واسطہ سے تم تم ہوئے۔ جب وہ اتنا نزدیک ہے تو اب ایک کام کی بات بتلاتا ہوں سمجھ لیجئے اور میں استدلالی گفتگو نہیں کرنا چاہتا کیونکہ استدلالی گفتگو سے اطمینان نہیں ہوتا۔ ساکت کر دینا دوسری بات ہے عمل اور سمجھنے کے قابل بات بتلاتا ہوں وہ یہ کہ

سوال کرنے کے قبل ایک مفید مراقبہ

جب آپ کوئی سوال شریعت مقدسہ کی بابت کریں جس میں سوال عن الحکمت (حکمت سے سوال کرنا) بھی داخل ہے تو پیشتر یہ تصور کرلیا کریں کہ ہم ایک مجلس میں حاضر ہیں جس کے صدر مجلس حق تعالیٰ ہیں اور ہم جو سوال کرتے ہیں اس کو وہ دیکھتے سنتے ہیں اور یہ بھی تصور کریں کہ جس کی بابت ہمارا سوال ہے وہ خدا ہی کا قانون ہے۔ اس کے بعد یہ سوچنا چاہیئے کہ آیا اس صورت مفروضہ میں (۲) ہم خدا تعالیٰ سے بھی یہ سوال کر سکتے۔ اگر ان سب مقدمات کے استحضار کے بعد بھی وجدان شہادت (۳) دے کہ ہاں پوچھ سکتے ہو تو بس وہ سوال جائز ہے۔ ورنہ نہیں اگر یہ بھی سمجھ میں نہ آوے تو یہ دیکھیئے کہ اگر آپ شاہ جارج کے دربار میں پہنچ گئے اور آپ کی ایسی جگہ نشست ہوئی کہ جہاں وہ آپ کو دیکھ بھی رہے ہیں اور آپ کی باتیں بھی سن رہے ہیں تو جو سوال آپ نے قوانین کی لِم (۴) کی بابت ہندوستان میں بیرسٹر سے کیا تھا وہ خود بادشاہ سے بھی اس دربار میں کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہاں نہیں کر سکتے تو حق عظمت یہی ہے کہ ہندوستان

(۱) بحث کرنے کی (۲) یہ صورت سوال کی جو ہم نے فرض کی ہے (۳) دل سے جواب آئے کہ ہاں (۴) قانون مقرر کرنے کی وجہ۔

میں بھی نہ کرو۔ جب یہ بات اس مثال میں طے ہوگئی کہ نہیں پوچھ سکتے تو کیا خدا تعالیٰ کی عظمت دنیوی سلاطین سے بھی کم ہے اور کیا اس کا حاضر وناظر ہونا ان کے حاضر وناظر ہونے سے بھی کم ہے نعوذ باللہ! حالانکہ سلاطین کے دربار میں اگر کوئی سرگوشی کرنے لگے تو بعض اوقات سلاطین کو خبر بھی نہیں ہوتی تو گستاخی کا سوال چنداں بعید نہیں اور خدا تعالیٰ سے چھپا کر تو ایسی سرگوشی بھی نہیں ہوسکتی تو ایسی حالت میں گستاخی سخت حیرت ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں اور واقعی عاقل وہی ہے جس کی آنکھیں حق تعالیٰ نے کھول دیں وہ کہتے ہیں جب کوئی شخص مجھ سے مسئلہ پوچھنے آتا ہے تو میں خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر تصور کر کے سوچتا ہوں کہ آیا اس جواب پر اتنا اطمینان ہے یا نہیں کہ خدا کے سامنے دے سکوں اگر اتنا اطمینان ہوتا ہے تو جواب دیتا ہوں ورنہ نہیں۔ ہم لوگ حق تعالیٰ کو حاضر وناظر کیا سمجھتے ہیں۔ صرف الفاظ ہیں۔ اگر حاضر و ناظر سمجھتے تو ہماری اتنی جرأتیں نہ بڑھتیں۔ ایک شخص کہتے تھے کہ وہ ایک اسلامی بادشاہ سے ملنے کے لیے گئے سخت پہرے کے بعد تو کہیں ایوان کے احاطے کے اندر رسائی ہوئی جہاں سے آرام گاہ شاہی بہت فاصلہ پر تھا۔ لیکن وہاں ایک بلند عمارت رفیع الشان تھی جہاں کھڑکی میں بادشاہ سلامت بیٹھے تھے اور چاروں طرف دوربینیں لگی ہوئی تھیں، کبھی ادھر دیکھ لیتے کبھی ادھر دیکھ لیتے۔ جوں ہی انہوں نے دروازہ میں قدم رکھا بس ایک ہیبت طاری ہوگئی ہر وقت یہی احتمال کہ شاید اس وقت ادھر دیکھتے ہوں۔ سو باوجود یکہ دیکھنا بالکل مشکوک تھا لیکن صرف اسی خیال سے کہ شاید دیکھ رہے ہوں قدم نہیں اٹھتا تھا، اور باوجودیکہ ادھر اُدھر عجیب وغریب ساز وسامان مجتمع تھے کہیں روشیں کہیں سبزہ کہیں پھلواری لیکن گردن پھیر کر نہیں دیکھ سکتے تھے اس واسطے کہ شاید نگاہے کند (۱)۔ ادھر اُدھر دیکھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ تعجب ہے اللہ تعالیٰ کے حاضر ناظر ہونے کے یقین کا تو اثر نہ ہوا اور بادشاہ کے دیکھنے کے احتمال کا اثر ہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو یہ معاملہ ہونا چاہیئے

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی　　شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی (۲)

---

(۱) شاید بادشاہ میری اس حرکت کو دیکھ لے (۲) ''ایک پلک مارنے کی مقدار بھی محبوب حقیقی سے غافل مت ہو شاید کہ تم پر لطف کی نگاہ کریں اور تم آگاہ نہ ہو''

ہر وقت انہیں کو تکتے رہو جو شخص اس طرح سمجھے گا اس کو ساری شکلیں اصلاح کے متعلق آسان ہوجائیں گی۔ اسی کو یہ بزرگ فرماتے ہیں۔ یک چشم زدن (۱) الخ جو حاصل ہے مراقبہ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی (کیا اس کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں) کا، محض اہلِ قال (۲) ایسی اصلاح نہیں کر سکتے۔

بیان تفاوت در بیان اہل الفاظ واہلِ تحقیق

ہم لفظ پرستوں کی ایسی مثال ہے جیسے طبیب غیر واقف اصول، کوئی، مریض آیا اور اپنا حال کہنا شروع کیا کہا کہ مجھے زکام ہے اس نے گل بنفشہ لکھدیا پھر کہا کہ کھانسی بھی ہے اس نے ملٹھی بھی لکھدی۔ غرض جو جو مرض وہ بیان کرتا گیا وہ طبیب صاحب ایک ایک جز بڑھاتے رہے۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ نسخہ کیا ہوگا، مطبع مجتبائی کی فہرست ہوگی اور اتنے بڑے نسخے کو پئے گا کون۔ سنا ہے کہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سکندرہ راؤ میں پہنچے وہاں ایک بیچارے نام کے طبیب کسمپرسی کی حالت میں تھے شاہ صاحب کو بخار ہوگیا ان طبیب کو بلوایا وہ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ اگر شاہ صاحب کی نظروں میں چڑھ گیا تو پھر خوب شہرت ہوجاوے گی اور مطب چل جائیگا۔ بہت اہتمام کے ساتھ عمامہ باندھ کر عبا قبا پہن کر پہنچے۔ نبض دیکھ کر حالات پوچھ کر ہر شکایت کے لیے بہت سے اجزاء تجویز کرتے گئے اور ایک کھرے کا کھرا نسخہ (۳) لکھ دیا۔ شاہ صاحب نے نذرانہ بھی دیا۔ بڑے خوش ہوئے اور آکر شیخی بگھاڑنے لگے کہ شاہ صاحب نے ایسی قدر کی۔ شاہ صاحب کے شاگردوں میں بڑے بڑے قابل لوگ موجود تھے۔ نسخہ پڑھا گیا۔ سب نے ہنسنا شروع کیا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ دیکھو اہل فن کی بیقدری نہ کرنی چاہیئے۔ مولوی حیدرعلی صاحب جو مشہور مناظر ہیں اور طب بھی پڑھی تھی وہ سب سے زیادہ ہنسے لیکن شاہ صاحب نے اس نسخہ کے تیار کرائے جانے کا حکم دیا، نسخہ پتیلی میں پکایا گیا۔ سیر دوسیر اجزاء تھے۔ شاہ صاحب نے کئی دن تک پیالے بھر بھر کر پیئے۔ شاہ صاحب کے اخلاق ایسے وسیع تھے، اس طبیب کی بڑی شہرت ہوگئی، اب تو

(۱) پلک جھپکنے کی بقدر بھی (۲) صرف باتیں بنانے والے (۳) لمبا چوڑا نسخہ لکھدیا۔

گویا شاہ صاحب نے فتوے پر الجواب صحیح (جواب ٹھیک ہے) لکھدیا۔ بعضے طبیب تو ایسے ہوتے ہیں جیسا ذکر ہوا۔ اور بعضے وہ ہیں کہ وہ اصل جڑ مرض کی دیکھ لیتے ہیں کہ بلغم یا صفرا بڑھ گیا ہے اور ایک مختصر اور جامع نسخہ لکھ دیتے ہیں اگر پچاس شکایتیں بھی پیش کی جائیں تو وہ یہی کہہ دیتا ہے کہ ہاں ہم نے سب کی اصلاح کر لی ہے (۱)۔ جاہل ناواقف مریض اس کے نسخہ کی ناقدری کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ذرا سے نسخہ میں اتنے امراض کی کیسے رعایت ہوگئی۔ حالانکہ ان سب امراض کی جڑ کو سمجھ گیا ہے مگر ناواقف کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی شکایتوں کا سبب کوئی ایسی ایک چیز ہے جس کا علاج کر لیا گیا ہے۔ ایک بوڑھے شخص کا قصہ ہے کہ اس نے ایک طبیب سے اپنا حال کہا کہ آنکھوں میں تیرگی ہے (۲) طبیب نے کہا بڑھاپے سے، اس نے کہا سانس پھول جاتا ہے کہا یہ بھی بڑھاپے سے ہے پھر کہا بھوک نہیں لگتی کہا یہ بھی بڑھاپے سے غرض جو شکایت کی اس نے یہی جواب دیا کہ یہ بھی بڑھاپے سے ہے آخر وہ بڈھا بگڑ گیا اور طیش میں آکر اس طبیب کے ایک دھول رسید کی (۳) کہ تو نے ساری طب میں بس یہی پڑھا ہے کہ بڑھاپے سے طبیب نے کہا بڑے میاں یہ بیجا غصہ بھی بڑھاپے ہی سے ہے تمہارے اس مارنے کا بھی بُرا نہیں مانتا بس اصل طبیب وہ ہے جو جڑ سمجھ جاوے سو اہلِ قال کا علاج تو اس حکیم کا سا ہے کہ جو ہر ہر مرض کے لیے ایک ایک جزو بڑھاتا گیا۔ کسی نے شکایت کی وسوسے بہت آتے ہیں ایک وظیفہ بتلادیا پھر اس نے کہا کہ وظیفے میں بھی وسوسے آتے ہیں۔ ایک دوسرا وظیفہ بتلادیا، جب کہا اس میں بھی وسوسہ ستاتا ہے تو ایک تیسرا بتلادیا۔ مگر وہاں وہی وسوسے موجود جتنا علاج کیا شکایتیں بڑھتی گئیں۔ علاجوں کی کثرت سے وہ سراپا دوا اور وظیفوں کی کثرت سے مجموعۂ وظائف ہوگیا۔ یہ دیکھ کر دین سے وحشت ہونے لگی کہ خدا کی پناہ کیسی مصیبت ہے۔ برخلاف اس کے ایک شخص ایسا ہے جو جڑ سمجھتا ہے، وہ بس یہ کہدے گا کہ وسوسوں کی طرف التفات (۴) مت کرو اگر آتے ہیں آنے دو تمہارا کوئی نقصان نہیں یہی حاصل ہے وارد فی الحدیث (۵) کا، ناواقف سمجھا کہ انہوں نے نہ

(۱) سب شکایات کا لحاظ کرلیا ہے (۲) آنکھیں چکراتی ہیں (۳) تھپڑ مارا (۴) توجہ (۵) حدیث میں جو وسوسہ کا علاج مذکور ہے اس کا حاصل یہی ہے۔

لمبا چوڑا وظیفہ بتلایا نہ توجہ کے لیے سامنے بٹھلایا نہ کچھ کیا یہ کیا علاج ہوگیا کہتے ہیں کہ وسوسہ کا خیال نہ کرو، بھلا کیسے خیال نہ کریں۔ معلوم ہوا کہ وہ معتقد ہی نہیں اگر کوئی معتقد ہوگا تو وہ یہی کہے گا کہ

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید (۱)

اسی کو حضرت سے حافظ فرماتے ہیں:

بہ نے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید   کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا (۲)

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ الخ جاہل عالم برابر نہیں۔ ایک صاحب نے مجھے لکھا کہ قبض شدید میں مبتلا ہوں جی نہیں لگتا وظیفے بھی بڑھائے، نفلیں بھی بڑھائیں لیکن کچھ نفع نہیں ہوا، انہوں نے مرض کا مرض سے علاج کیا جیسے کسی کو شربت نیلوفر پینے سے تو زکام ہوا اس نے اس کے علاج میں پھر شربت نیلوفر ہی پی لیا۔ میں بفضلہٖ سمجھ گیا۔ میں نے کہا وظیفے نفلیں سب یک لخت (۳) چھوڑ دو خلوت بھی چھوڑ دو دوستوں سے ملو جلو، ہنسو بولو۔ لکھنؤ کے قریب رہتے تھے میں نے کہا لکھنؤ آؤ عیش باغ کی سیر کرو، چوک میں پھرو خوب میوے کھاؤ، پھل کھاؤ، گناہ تو بچیو مت اور سب طرح کی تفریح کرو۔ ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ جس نے یہ باتیں بتلائی ہیں وہ بڑا اناڑی ہے۔ لیکن اس پر عمل کرنے کے ساتھ ہی ان کا سب قبض رفع ہوگیا اور پھر خوب جوش وخروش اور ذوق وشوق پیدا ہوا۔ پھر میں نے کہا کہ بس اب پھر حجرے میں بیٹھئے۔ شگفتہ ہوگئے کھل گئے۔ باغ و بہار لیکر اندر بیٹھ گئے۔ اہلِ ظاہر نے ہر چیز کا الگ الگ علاج کیا۔ توحید میں کسی نے وسوسہ کیا اس کی دلیل بیان کردی۔ قربانی میں وسوسہ کیا اس کی بھی دلیل بیان کردی۔ ڈاڑھی میں وسوسہ، پانچ وقت کی نماز کے تعین میں وسوسہ۔ ہر ہر حکم میں وسوسہ۔ سب کی دلیل بیان کردی مولانا سمجھے شفا ہوگئی۔ لیکن جب وہ پھر یارانِ طریقت کے جلسے میں پہنچا، وہاں پھر ایک شبہ پیدا ہوگیا۔ مولانا کا ذخیرہ سب ایک دم سے ختم ہوگیا سب مقدمات میں شبہ پڑ گیا۔

---

(۱) ’’قلندر جو کچھ کہتا ہے دیکھا ہوا کہتا ہے‘‘ (۲) ’’امر مباح جو بظاہر طریقت کے خلاف ہونے سے منکر معلوم ہوتا ہے اگر مرشد بتلادے تو اس پر عمل کرے اس کو مضر نہ سمجھے بلکہ مفید سمجھے کیونکہ شیخ کو اس کے نشیب وفراز کا زیادہ تجربہ ہے‘‘ (۳) ایک دم۔

شیخ ابن عربی و امام رازی کی حکایت

حضرت محی الدین بن عربی نے امام رازیؒ کو ایک خط لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ تم ایک روز بیٹھے رو رہے تھے کسی نے سبب پوچھا تو تم نے کہا کہ ایک مسئلہ فلسفہ کا میں تیس برس سے محقق سمجھے ہوئے تھا۔ آج اس کے ایک مقدمہ میں شبہ پڑ گیا میں اس لیے رو رہا ہوں کہ تیس برس تک جہل میں مبتلا رہا اور اب بھی جو کچھ علم ہے اس کی بابت یقین نہیں کہ یہ صحیح ہے سو تم نے دیکھا اپنے علم کو۔ ہمارے علم میں قیامت تک بھی کوئی شبہ نہیں پڑ سکتا۔ اس کو حاصل کرو امام نے پھر تصوف کی طرف توجہ کی۔ حضرت نجم الدینؒ کے بیعت ہوئے۔ شغل شروع کیا۔ اس میں کوئی چیز اپنے اندر سے انہیں سُر سُر نکلتی ہوئی معلوم ہوئی۔ شیخ سے عرض کیا انہوں نے کہا فلسفہ نکل رہا ہے۔ انہیں یہ گوارا نہ ہوا کہ اتنے دن کی حاصل کی ہوئی چیز ہاتھ سے جاتی رہے۔ بولے ناں صاحب میں یہ نہیں چاہتا کہ میرا فلسفہ نکل جاوے۔ یہ کہکر وہاں سے چلے آئے لیکن تھوڑے ہی دنوں کی صحبت نے یہ اثر کیا کہ وہ حقیقت کو اجمالاً سمجھ کر کہتے ہیں ؎

نہایۃ اقدام العقول عقال   واکثر سعی العالمین ضلال (۱)

ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا   سوی ان جمعنا فیہ قیل بقال (۲)

حضرت مرتے وقت آپ کو علوم حقیقیۃ اور لفظیہ کی حقیقت معلوم ہوگی مرتے وقت تو یہ معلوم ہی ہوگی یہیں معلوم ہو جاتی ہے۔ اہل اللہ کو کوئی شبہ ہی نہیں ہوتا یا نہیں رہتا بخلاف اہل قال کے۔

اہل قال و اہل حال کے علاج میں فرق

وجہ فرق یہ ہے کہ وہ ہر شبہ کا الگ الگ جواب نہیں دیتے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص سو بیگہ زمین کو جس پر جھاڑ جھنکاڑ کھڑے ہوئے صاف کرنا چاہتا ہے تو اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ درانتی لیکر ایک طرف سے جھاڑوں کو کاٹنا شروع کیا

(۱) ''تمام عقلوں کے قدموں کی انتہا عقال کی طرف ہوئی تمام دنیا والوں کی کوشش کا خلاصہ ضلال ثابت ہوا''

(۲) ''ساری عمر بجز بک بک اور قیل وقال کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ عمر یونہی ضائع کی''۔

سو درانتی منگائی گئیں اور سو آدمیوں کے حوالہ کی گئیں۔ ایک درانتی کند ہوگئی وہ بدلی پھر دوسری کند ہوگئی اسے بدلنا پڑا۔ پھر تیسری کند ہوگئی۔ ایک شخص آیا اس کے پاس دیا سلائی کا بکس ہے اس نے مٹی کا تیل چھڑکا اور دیا سلائی لگادی آناً فاناً سب بھڑ بھڑ جل گیا درانتیوں سے ایک ماہ میں جا کر کہیں صفائی ہوتی اور پھر بھی ویسی نہیں۔ یہاں ایک گھنٹہ میں سب زمین صاف ہوگئی اب اس میں ہل چلاؤ کھیتی بولو۔ اسی طرح اہل اللہ سے کوئی شکایت کرتا ہے کہ وسوسے آتے ہیں وہ کہتے ہیں محبت پیدا کرو۔ اگر کہتا ہے کہ نماز میں ادھر اُدھر کے خیالات آنے لگتے ہیں وہ پھر یہی کہہ دیتے ہیں کہ محبت پیدا کرو، عشق پیدا کرو۔ واقعی کہاں درانتی اور کہاں آگ وہاں درانتی بھی کافی نہیں۔

عشق الٰہی کا کمال

یہاں سب جھاڑوں کا ایک علاج یعنی اسی کو حضرت مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

ہر کرا جامہ زعشق چاک شد   اوزحرص وعیب کلی پاک شد (۱)

شاد باش ای عشق خوش سودای ما   دے طبیب جملہ علتہائے ما (۲)

ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

عشق آں شعلہ است کہ چوں برفروخت   ہرچہ جز معشوقے باقی جملہ سوخت (۳)

ہرچہ میں سب شامل ہے خواہ نماز میں شبہ ہو یا روزہ میں شبہ ہو ؎

تیغ لا در قتل غیر حق براند   در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند (۴)

ماند الا اللہ باقی جملہ رفت   مرحبا اے عشق شرکت سوز رفت (۵)

شرکت سوز ہے کسی کو شریک نہیں رکھتا کیونکہ ؎

چو سلطان عزت علم برکشد   جہاں سر بجیب عدم در کشد (۶)

---

(۱) ''جس کو محبوب حقیقی کا عشق ہوجائے وہ حرص اور تمام نقائص اور اخلاق ذمیمہ سے بالکل پاک ہوجاتا ہے''

(۲) ''اے عشق تو ایسا ہے کہ تیری بدولت خیالات درست ہوجاتے ہیں اور تجھ سے سب امراض کا علاج ہوجاتا ہے'' (۳) یعنی عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ روشن ہوتا ہے تو سوائے محبوب کے سب کو فنا کردیتا ہے''

(۴) ''لا الٰہ کی تیغ غیر اللہ کے ہلاک کرنے میں چلاؤ لا الٰہ کے بعد دیکھو کیا رہ گیا'' (۵) ''یعنی الا اللہ باقی رہ گیا باقی تمام فنا ہوگئے اے عشق عزت شرکت سوز تجھ پر آخرت کے سوائے محبوب حقیقی کے سب کو فنا کردیا'' (۶) ''جب محبوب حقیقی کی تجلی قلب پر وارد ہوتی یہ سب چیزیں فنا ہوجاتی ہیں''۔

آفتاب کے سامنے سب ستارے ماند پڑ جاتے ہیں اسی طرح جب تجلی حق قلب پر ہوتی ہے واللہ سب چیزیں رخصت ہوجاتی ہیں۔ جیسے آفتاب کے سامنے سب ماند ہوجاتے ہیں چاہے وہ چاند ہی ہو۔

اہل اللہ کا طریقہ علاج

ایک عارف کا قول ہے کہ اندھیری کوٹھڑی میں چوہے چھچھوندر سانپ، بچھو سب نے آکر گھیر لیا، ساری رات لکڑیاں بجاتا پھرا لیکن نہ بھاگے بلکہ کہیں چوہیا نے پیر میں کاٹ لیا کہیں اندھیرے میں ٹھوکر کھا کر گر پڑے غرض ساری رات یہ مصیبت رہی لیکن موذیوں سے نجات نہ ہوئی۔ دلائل کی حالت ان لکڑیوں کی سی ہے۔ محبت حق کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک شمع روشن کردی اس کے روشن ہوتے ہی سب سانپ بچھو چوہے چھچھوندر بھاگے چلے جارہے ہیں اُسی وقت میدان صاف ہوگیا۔ بات یہ ہے کہ یہ سب چیزیں روشنی میں نہیں ٹھہر سکتیں۔ جہاں ظلمت ہوتی ہے وہیں رہتی ہیں۔ ان کے دفع کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ چراغ روشن کرو۔ گنڈاسہ۔ لکڑ کہیں کام دے سکتا ہے۔ سو اہل اللہ کا علاج ایسا ہی ہے یعنی محبت حق، جس وقت عظمت اور محبت حق تعالیٰ کی قلب میں سماجاتی ہے کچھ بھی شبہ نہیں رہتا۔ محققین نے یہی علاج تجویز کیا ہے کہ ہر حکم کو محبت سے قبول کرتے ہیں۔ چاہے حکمت معلوم ہو یا نہ ہو۔

امام غزالی کا سوال

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے تعجب ہے ان احمقوں پر جو پوچھتے ہیں کہ قبر کا عذاب کیونکر ہوگا۔ اس تحقیق کی کیا ضرورت ہے فکر تو اس کی چاہیئے کہ اس سے نجات کا کیا طریقہ ہے۔ اگر کسی پر مقدمہ فوجداری کا قائم ہوکر سزائے موت کا حکم ہوگیا ہو اور لوگ کہتے ہوں کہ اپیل کی بھی گنجائش ہے تو اس کو تو یہ مناسب ہے کہ برأت کی کوشش کرے نہ یہ کہ اس ذکر میں پڑ جائے کہ کیسی موت ہوگی آیا پھانسی پر لٹکایا، یا تلوار سے گردن ماری جاوے گی اور یہ کہ پھانسی سے آدمی مر کیوں جاتا ہے۔ گلا گھونٹنے کو موت میں کیا دخل ہے۔ اس احمق سے کوئی یہ پوچھے کہ اگر ایسی تحقیقات میں پھانسی کا وقت آیا تو تجھے تیری

سائنس کیا کام دے گی۔ جو بات خود معلوم ہونے والی ہے اس کی تحقیق کیا۔

حضرت امام غزالی فرماتے ہیں کہ بس اس تحقیقات کو چھوڑ کہ قبر کا عذاب کیونکر ہوگا اس کی تلاش کر کہ اس سے نجات کی سبیل کیا ہے۔ اگر نجات ہوگئی اور کیفیت عذاب قبر کی نہیں معلوم ہوئی تو ہمارا ضرر ہی کیا۔ ہم کہتے ہیں کہ نقصان ہی کیا ہوگا۔ پھانسی سے رہائی ہوگئی اور یہ تحقیق نہ ہوا کہ کیونکر جان نکلتی ہے تو اس کا ضرر کیا۔ بخلاف اس کے اگر یہ تحقیق بھی ہوگیا مگر جان نہ بچی تو نفع کیا ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم لطیف

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قربان جایئے۔ ہم کو کیسی اچھی تعلیم فرمائی ہے کہ مِنْ حُسْنِ اِسلَامِ الْمَرْئِ تَرْکُہٗ مَالَا یَعْنِیْهِ جس کام سے کوئی غرض متعلق نہ ہو اس کو چھوڑ و۔ اگر حکمت کسی حکم کی نہ معلوم ہوئی تو اُس پر ہمارا کام کونسا اٹکا ہے۔ اگر بے حکمت سمجھے کرلیا تو حرج کیا ہوا۔

حکمت سے بحث کرنے والوں کا ایک عذر اور اس کا جواب

لوگ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ہم مخالفین کا بھی تو کچھ جواب دیں تو کیا بس ان کے لیے یہی جواب ہے کہ ہر ہر حکم کی حکمت بتلائی جاوے۔ کہ یہ جواب دیدیا کرو کہ ہم عالم نہیں علماء سے پوچھو۔ پھر عالم لوگ آپ نمٹ لیں گے تم کس فکر میں پڑے۔ مولانا نعیم صاحب لکھنوی سے کسی شخص نے پوچھا کہ حضرت معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی بابت کیا تحقیق ہے۔ کون حق پر تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ تمہارا سوال ہے یا کسی اور کا۔ انہوں نے کہا کہ فلاں حافظ جی نے پوچھا ہے۔ دریافت فرمایا کہ وہ کیا کام کرتے ہیں۔ کہا جوتے بیچتے ہیں اور تم کیا کرتے ہو عرض کیا میں کپڑا رنگتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تم اطمینان رکھو تمہارے پاس یا حافظ جی کے پاس ان کا مقدمہ نہیں آویگا تم جا کر اپنا کپڑا رنگو اور حافظ جی اپنے جوتے بیچیں، تمہارے پاس مقدمہ آوے تو کہہ دینا کہ ہمارے حد اختیار سے خارج ہے۔ ان کے مقدمہ کا فیصلہ اللہ میاں کے یہاں ہو رہے گا۔ تمہیں اس کی تحقیقات کی ضرورت ہی نہیں۔ تم اپنے کام میں لگو کس جھگڑے میں پڑے۔ اگر کوئی ادنیٰ درجے کی رعایا سے پوچھے کہ وزیر کوئی جرم کرے تو

اس کی کیا سزا ہے تو وہ یہی کہے گا کہ میرے پاس اس کا مقدمہ ہی نہ آوے گا۔ میں کیا جانوں۔ اسی طرح جن کے پاس حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا مقدمہ جاوے گا وہ خود جانتے ہیں کہ کیا کرنا چاہیئے۔ عوام کو کیا بحث۔

علماء کے اخلاق نے عوام کو جری کر دیا

مگر علماء کے اخلاق نے عوام کے دماغ کو خراب کر دیا ہے میں تو ایسے علماء ہی پر الزام لگاتا ہوں ؎

ہر کس از دست غیر نالہ کنند　　　سعدی از دست خویشتن فریاد (۱)

اگر کسی نے حکمتیں پوچھیں بس انہوں نے حکمتیں بیان کرنا شروع کر دیں اس کے بعد کہیں اس میں شبہ کہیں اُس میں شبہ۔ البتہ اگر کسی قانونی مولوی سے کوئی حکمتیں پوچھے وہاں صاف جواب ملے گا کہ حکم پوچھو حکمت نہ پوچھو۔

حضرت تھانویؒ کے حکیمانہ جوابات

ایک شخص نے مجھے لکھا کہ فلاں حکم شرعی میں کیا حکمت ہے میں نے پوچھا کہ آپ کے سوال عن الحکمت (حکمت کے دریافت کرنے) میں کیا حکمت ہے۔ تم خدا تعالیٰ کے فعل کی ہم سے حکمت پوچھتے ہو ہم تمہارے ہی فعل کی حکمت تم سے پوچھتے ہیں اور ہم نہیں بتلاتے کہ کیا حکمت ہے جاؤ۔ کئی دن ہوئے ایک صاحب نے پوچھا کہ فلاں فتویٰ پر آپ کی مُہر ہے میں نے کہا کہ آپ کیوں تفتیش کرتے ہیں۔ کیا آپ میرے انسپکٹر ہیں یہ کیوں پوچھتے ہو اس پر تمہارا کوئی کام اٹکا ہوا نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ سے تعلق ہے اور لوگ پوچھتے ہیں۔ میں نے کہا آج سے تعلق قطع کر دو، دل سے محبت نکال دو اور اگر محبت رکھتے ہو تو ہمارا یہ کہنا مانو کہ یہ سوال مت کرو۔ علماء نے عوام کے اخلاق خراب کر دیئے۔

ایک صاحب کا جو کہ سب انسپکٹر تھے میرے پاس خط آیا انہوں نے یہ لکھا کہ

(۱) ''یعنی ہر شخص دست غیر سے نالاں ہے اور سعدی اپنے ہاتھ سے یعنی ہر شخص عوام کی شکایت کرتا ہے مگر مجھے علماء کی شکایت ہے''

کہ کافر سے سود لینا کیوں حرام ہے۔ میں نے جواب میں لکھ بھیجا کافر عورت سے زنا کیوں حرام ہے اس پر شکایت کا خط آیا کہ علماء کو ایسا خشک جواب نہ دینا چاہیئے۔ میں نے اس خط کا کچھ جواب نہیں دیا۔ اتفاق سے ایک مقام پر وہ مجھ سے ملے تو میں نے انہیں پہچانا نہیں وہ مجھے پہچانتے تھے انہوں نے مجھ سے اس خط کا ذکر کرکے کہا کہ میں ہی وہ شخص ہوں جس نے وہ خط بھیجا تھا، میں نے کہا آہا! آپ سے تو بڑی پرانی بے تکلفی نکلی۔ کہنے لگے آپ نے ایسا خشک جواب کیوں دیا تھا۔ میں نے کہا کہ آپ سب انسپکٹر ہیں۔ مجھے یہ بتلایئے کہ آیا آپ کا برتاؤ سب کے ساتھ خصوصیت کا ہے یا بعضوں کے ساتھ ضابطہ کا بھی ہے انہوں نے کہا کہ سب کے ساتھ خصوصیت کا برتاؤ نہیں ہوسکتا جو خاص ملنے والے ہیں ان سے خصوصیت کا معاملہ ہے باقی سب سے محض ضابطہ کا، میں نے کہا تو بس آپ بھی یہی سمجھ لیجئے کہ ہم لوگ بھی یوں ہی کرتے ہیں صرف بے تکلفوں سے ہمارا خصوصیت کا برتاؤ ہے۔ باقی اوروں سے ضابطہ کا، چونکہ آپ سے پہلے سے ملاقات نہیں تھی اس لیے آپ کے حالات وخیالات کا اندازہ نہیں ہوسکتا تھا اس لیے ہم نے ضابطہ کا جواب دیا۔ لیکن اب آپ کے پاس ایسا جواب نہ پہنچے گا۔ مگر جیسا کہ اس ملاقات کا اثر میرے اوپر ہوا ہے آپ پر یہ اثر ہوگا کہ اب آپ بھی ایسا بیہودہ سوال کبھی نہ کریں گے۔ میں نے سوچا کہ جب میں اپنے کو مقید کررہا ہوں تو انہیں بھی کیوں نہ مقید کروں۔ انہیں کیسے یوں ہی چھوڑ دوں۔ لوگ اب ایسے ہی فضول سوالات کرنے لگے ہیں۔

کیرانہ کا قصہ ہے کہ ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ نماز پانچ وقت کیوں مقرر ہوئی اس میں کیا مصلحت ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ تمہاری ناک آگے کیوں لگی ہے پیچھے کیوں نہ لگی۔ یہ سن کر بڑے دنگ ہوئے اور کہنے لگے کہ اللہ میاں نے ایسی ہی بنادی۔ میں نے کہا کہ میں قسم کھاتا ہوں کہ نماز بھی میرے ابا جان کی بنائی ہوئی نہیں ہے یہ بھی اللہ میاں ہی کی بنائی ہوئی ہے۔ کیا لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ احکام مولویوں کے تصنیف ہیں۔

ایک بڑھیا کی حکایت یاد آئی۔ جب حج میں صفا مروہ کے دو تین چکر لگا چکی تو ہاتھ جوڑ کر مطوّف سے کہتی ہے کہ مولوی صاحب اب چلا نہیں جاتا اللہ کے واسطے

معاف کردو۔ اس نے جواب دیا کہ میرے گھر کی تو بات نہیں مت چل تجھے اختیار ہے غرض احکام شرعیہ سب اللہ میاں کے بنائے ہوئے ہیں انہیں سے حکمتیں پوچھ لینا وہ یا تو زبان سے جواب دیں گے یا ہاتھ سے اور زبان سے کیوں دینے لگے ہاتھ ہی سے جواب دیں گے فقط اتنی بات کہ خدا کا حکم ہے یا نہیں یہ تو تحقیق کرلو۔ پھر یہ مت دیکھو کہ اس میں کیا حکمتیں ہیں، حکمتیں حکم مقرر کرنے والا جانے، ہمیں امتثال سے مطلب (۱)

اطاعت کاملہ کی برکت سے اکثر حکمتیں بھی معلوم ہوجاتی ہیں

اس طرز کی برکت سے ان شاء اللہ ایک دن وہ بھی آجاویگا کہ حکمتیں اور اسرار بھی معلوم ہوجاویں گے۔ شاید کسی کو بہت ہی شوق ہو۔ میری تقریر سن کر وہ کہتا ہوگا کہ انہوں نے تو بالکل بند ہی کردیا، جی میں ارمان ہی رہ گیا۔ سو میں بشارت دیتا ہوں کہ اگر اسرار (۲) جاننے کا شوق ہے تو یہ طرز یعنی اطاعت اختیار کیجئے۔ میں وعدہ بلکہ دعویٰ تجربہ کی بنا پر کرتا ہوں کہ اطاعت سے ایک نور اس کے قلب میں ایسا پیدا ہوگا جس سے یہ حالت ہوگی کہ ؎

بینی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معید واوستا (۳)

خودبخود اُس کے قلب میں اسرار جھلکیں گے۔ اس کو ایک مثال سے سمجھئے کہ ایک شخص بغاوت کرتا ہے اور پھر چاہتا ہے کہ میں شاہی اسرار پر مطلع ہوجاؤں خزانہ شاہی کے حالات معلوم ہوجائیں بلکہ شاہی بیبیوں کے خط وخال اور حسن و جمال تک کا مشاہدہ کرلوں تو بادشاہ اس کے اتنے لگادے گا کہ یہ بھی یاد رکھے۔ اگر اسرار معلوم کرنا چاہتے ہو تو فدا ہوجاؤ، بادشاہ پر فدوی جو آجکل لکھا جاتا ہے یہ شاہی زمانہ میں بڑا رتبہ تھا جس سے بہت ہی زیادہ خصوصیت ہوتی تھی اس کو فدوی کا منصب دیا جاتا تھا۔ اس کے معنی یہ ہوتے تھے کہ بادشاہ کے فدائیوں اور جاں نثاروں میں ہیں۔ پرانے زمانہ کی مہریں میں نے دیکھیں ان میں بعضے ناموں کے ساتھ فدوی لکھا ہے۔ یہ بڑی خصّیت کا رتبہ تھا، عاشق کا

(۱) ہمیں احکام کی بجا آوری کرنی چاہیئے (۲) حکمتیں جاننے کا شوق ہے (۳) ''اپنے اندر بے کتاب و بے مددگار واستاذ انبیاء کے جیسے علوم دیکھو گے''۔

ہم معنی ہے تو بس تم بھی حق کے فدوی ہوجاؤ۔کامل اطاعت اور جان نثاری کی شان پیدا کرو۔عجب نہیں وہ دن آوے کہ بادشاہ خوش ہوکر خود ہی کہے کہ آؤ میں تمہیں اپنا خزانہ دکھلا دوں اور خزانہ شاہی پر لیجا کر کھڑا کردے کہ یہ جواہرات ہیں اور یہ محلات ہیں اور عجب نہیں جو زیادہ مہربان ہو اور زیادہ اعتماد ہو جاوے تو محل سرائے میں بھی لیجا کر دکھلا دے کہ یہ ہماری بیبیاں یہ ہماری باندیاں ہیں وہاں تمام اسرار اُسے نظر آجاویں گے۔بس اطاعت ہی اس کا طریقہ ہے۔خدا جانتا ہے ترک استدلال سے اطلاعیں ہوئی ہیں جس کو ہوئی ہیں اسرار منکشف ہوئے ہیں۔خودرائی کے چھوڑنے سے حضرت عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

فکر خود رائے خود درِ عالم رندی نیست　　　کفر ست دریں مذہب خود بینی خودرائی (۱)

دیکھئے خودرائی کو کفر کہتے ہیں۔جنہوں نے اپنے کو فدا کردیا اور بلا تفتیش اور بلا چون وچرا کامل اطاعت اختیار کی ان کو حق تعالیٰ اپنے اسرار پر مطلع کردیتے ہیں۔حسب استعداد یہ میں نہیں کہتا کہ تمام اسرار پر مطلع کردیتے ہیں لیکن اتنا ضرور کردیتے ہیں کہ ان کو اطمینان ہوجاتا ہے کوئی شبہ وشک نہیں رہتا۔

صدیقیت کی حقیقت

اوراس مرتبہ کا نام صدیق ہے۔حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی مرتبہ تھا۔ایسا شخص نہ معجزہ کا طالب ہوتا ہے نہ کرامت کا اس کا قلب گواہی دینے لگتا ہے کہ یہ حق ہے اس کو کبھی وسوسہ نہیں ہوتا۔حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نبی ہوں آپ نے فوراً تصدیق کی اور پڑھا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (میں گواہی دیتا ہوں کہ بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں)

حضرت عبداللہ بن سلام کہتے ہیں فلما تبینت وجهه عرفت انه لیس بوجه کذاب ''یعنی جبکہ آپ کا چہرہ مبارک ظاہر ہوا تو میں پہچان گیا کہ یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں ہوسکتا'' طلب سے بھی صدیقیت کی شان پیدا ہوجاتی ہے۔جیسا عبداللہ بن سلام

(۱) ''یعنی عالم عاشقی میں اپنی فکر ورائے بالکل بیکار ہے اس مذہب میں خود بینی اور خودرائی کفر ہے''۔

نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے ہی فرمایا کہ یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں ہے سچے کا ہے۔

نور حق ظاہر بود اندر ولی نیک بیں باشی اگر اہلِ ولی (۱)

اس کا ترجمہ مولوی ابوالحسن صاحب نے کیا ہے ؎

مرد حقانی کی پیشانی کا نور کب چھپا رہتا ہے پیش ذیشعور

اہل کمال کی پہچان میں کس قلب کی شہادت معتبر ہے

اور یہاں میں ایک بات قابل یاد رکھنے کے بتلاتا ہوں کہ ایسی شہادت ہر شخص کے قلب کی معتبر نہیں ہے بلکہ اہل دل کی معتبر ہے یعنی جس کی طرف علماء صلحاء اتقیاء متوجہ ہوں وہ درویش کامل ہے اور جس کی طرف عوام زنا کار شرابی اہل مال وجاہ رجوع ہوں وہ درویش نہیں۔ اہلِ تقویٰ کی آنکھ میں جو سما گیا وہ کامل ہے بہت شعبدہ باز مکار اس زمانہ میں ایسے پیدا ہوگئے ہیں جن کی طرف عوام ہجوم کرتے ہیں ایسے ایسے سائل گداگر آتے ہیں کہ ڈیوڑھی پر کھڑے بتلادیتے ہیں کہ دیکھو فلانی الگنی (۲) پر یہ کپڑا پڑا ہے ہم وہی لیں گے لوگ ہیبت کے مارے لاکر دیدیتے ہیں کہ شاہ صاحب بڑے غیب دان ہیں حالانکہ وہ غیب دان نہیں بلکہ عیب دان ہیں عوام ایسے کو سمجھتے ہیں کہ بڑا بزرگ ہے گھر کی بات بتلادی اگر بزرگ ہوتے تو بھیک کیوں مانگتے۔

بناوٹی پیر کا علاج

ایک ایسے ہی شاہ صاحب ہمارے دروازے پر پہنچے اور صدا لگائی۔ اندر سے کچھ آٹا بھیجا گیا لیکن آٹا بھلا وہاں کیا قبول ہوتا لمبی چوڑی فرمائش شروع کیں میں اوپر تفسیر لکھ رہا تھا۔ دیر تک جھک جھک چق چق ہوتی رہی۔ میرا جی گھبرایا بالآخر خود مجھے نیچے آنا پڑا دیکھا تو ایک نہایت وجیہ شخص ہیں، بڑا چوغہ زیب تن کئے ہوئے لنگی باندھے ہوئے، بڑا سا عمامہ باندھے تسبیحیں بہت سی گلے میں ڈالے ہوئے عصا ہاتھ میں لیے جیسے کوئی شیخ المشائخ۔ میں نے کہا شاہ صاحب کیا تکرار ہے کہا ہم نقد لیں گے ہم آٹا نہیں لیتے۔ میں نے کہا شاہ صاحب جس کو جو توفیق ہو وہی لے لینا چاہئے۔ ہمیں آٹے کی

(۱) ’’ولی میں انوار الٰہی نمایاں ہوتے ہیں مگر اس کا ادراک اہل دل کو ہوتا ہے‘‘ (۲) کپڑے لٹکانے کی ڈوری۔

توفیق ہوئی اسی کو قبول فرمالیا جاوے۔ میرے پاس کوئی عبا نہیں ہوتی قبا نہیں ہوتی سادہ کرتہ پاجامہ پہنتا ہوں مجھے انہوں نے دھمکانا شروع کیا اور بڑے زور میں آکر پڑھا ؎

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی ست   شاید کہ پلنگِ خفتہ باشد(۱)

میں نے کہا کہ جناب آپ کو بھی تو یہی خیال کرنا چاہئے کہ ؎

ہر بیشہ گماں مبرکہ خالی ست   شاید کہ پلنگِ خفتہ باشد(۲)

پھر تو شاہ صاحب بڑے چکرائے اور سمجھے کہ یہ تو طالب علم نکلا۔ اس سے بیڈھب پالا پڑا پھر میں نے سختی کے ساتھ کہا کہ آپ کی عقل ماری گئی ہے آپ نے میری نرمی کی قدر نہ کی اب یا تو سیدھی طرح سے اپنا راستہ لیجئے ورنہ میں کان پکڑ کر باہر کردوں گا۔ بس پھر دم بھی نہیں مارا چپکے چلے گئے، ایسوں کا یہی علاج ہے۔

شاہجہاں پور میں ایک بنا ہوا فقیر آپہنچا پٹھانوں کے پاس آکر کہا کہ میں یہاں قطب ہوکر آیا ہوں مجھ پر ایمان لاؤ۔ پٹھان بیچارے سیدھے سادھے ہوتے ہیں انہوں نے کہا اچھا بھائی تم قطب سہی، ایک پٹھان بڑے چلتے ہوئے تھے ان کے پاس بھی جاکر یہی کہا کہ میں یہاں قطب ہوکر آیا ہوں انہوں نے کہا کہ ہاں آپ قطب ہوں گے لیکن میں تصدیق نہیں کرسکتا کیونکہ آپ سے پہلے میں یہاں کا قطب تھا۔ میرے پاس آپ کے قطب ہونے کی اطلاع نہیں پہنچی بلا اطلاع میں آپ کو چارج نہیں دے سکتا۔ یا تو آپ اپنی تقرری کی چٹھی میرے پاس بھجوایئے ورنہ میں سمجھوں گا کہ آپ باغی ہیں اور شہر سے پٹوا کر نکلوادوں گا۔ غرض انہوں نے ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ اس کو پیچھا چھڑانا مشکل پڑ گیا۔ اور سوچا کہ بھائی یہاں دال نہیں گلے گی۔ اور دوسرے ہی دن غائب ہوگئے۔ اس خوف سے کہ کہیں پیٹا نہ جاؤں۔ ساری قطبیت ختم ہوگئی۔

عوام کا اعتقاد باطل

مگر عوام الناس کے اعتقاد کی یہ کیفیت ہے کہ میں ایک دفعہ مسجد سے باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص ننگ دھڑنگ لنگی زمین پر بچھائے ہوئے اس پر بیٹھا ہے

(۱) ’’ہر شخص کو خالی تصور نہ کرو شاید کشف وکرامت اور محبت الٰہی سے لبریز خدارسیدہ اور قطب وابدال ہو‘‘

(۲) ’’ہر شخص کو خالی گمان نہ کرو شاید کشف وکرامت اور محبت الٰہی سے لبریز خدارسیدہ اور قطب وابدال ہو‘‘

اور مجمع کا مجمع مسلمان ہندو چاروں طرف حلقہ باندھے کھڑے ہیں جیسے شمع کے گرد پروانہ غور کیا تو یہ وہی شخص تھا جس نے ہماری مسجد میں تھوڑی دیر پہلے آکر چھڑکاؤ کیا تھا اس وقت تو لنگی باندھے ہوئے تھا اور باہر لنگی اتار کر ننگا جا بیٹھا۔ خدا کی مار پھر عصر کے وقت مع لنگی کے مسجد میں موجود میں نے پوچھا کہ تم بلا لنگی کے باہر کیوں بیٹھے تھے۔ بس اس پوچھنے پر خفا ہو کر چلے گئے بعض کا گمان تھا کہ قطب ہے۔ اگر ایسے ایسے لوگ بھی قطب ہونے لگے تو پھر دنیا میں کوئی اہلِ باطل ہی نہیں۔ آج کل یہ حالت ہے کہ جو جتنا شریعت سے دور اتنا ہی وہ خدا رسیدہ اور مقبول اور جو شخص جتنا شریعت سے قریب بس ملّا ہے۔ یاد رکھئے جس کو آنکھوں والے کہدیں کہ یہ کامل ہے وہی کامل ہے ورنہ ایسا ہی ہے جیسا اندھوں نے ہاتھی کا حلیہ بیان کیا تھا۔ اندھوں کی آنکھیں تو ہاتھ میں ہوتی ہیں۔ اندھوں کے شہر میں ایک ہاتھی کہیں سے پہنچ گیا جلسہ ہوا کہ تحقیقات ہونگی ہاتھی کیسا ہوتا ہے، ایک ایک کر کے سب پہنچے اور ہاتھوں سے ٹٹول ٹٹول کر حلیہ دریافت کیا ایک نے آکر کہا کہ سانپ کے مشابہ ہوتا ہے اس نے سونڈ ٹٹولی تھی۔ دوسرا بولا نہیں مور چھل (۱) کی طرح ہوتا ہے اس کا پونچھ پر ہاتھ پڑا ہوگا۔ تیسرا آیا کہ پنکھے کی مانند ہوتا ہے اس نے کان دیکھا تھا۔ ایک نے کہا نہیں تخت کے مشابہ ہوتا ہے اس نے کمر دیکھی تھی پھر آپس میں خوب لڑائی ہوئی۔ اگر کوئی سوانکھا وہاں ہوتا تو وہ کہتا کہ سب جھوٹے ہو اور سب سچے ہو۔ سب نے ایک ایک جز دیکھا ہے پورا ہاتھی کسی نے نہیں دیکھا، اسی کو حضرت حافظ فرماتے ہیں ؎

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند (۲)

سو آنکھیں اطاعت کی برکت سے کھلتی ہیں ایسا ہی شخص خدا کو بھی اور خداوالوں کو بھی پہچانتا ہے۔ حکموں کو بھی جانتا ہے اور ان کی حکمتوں کو بھی گو اجمال ہی کے درجہ میں سہی لیکن اس قدر علم ضرور دیدیا جاتا ہے کہ اس کی تسلی ہوجاوے ؎

تسلی داد ہر یک را برنگے (۳)

ہمیں ضرورت صرف اتنے ہی علم کی ہے کہ شبہات رفع ہوجاویں۔ البتہ انبیاء

(۱) موروں کے پروں کا چنور (۲) ''تمام بہتر فرقوں کو جنگ واختلاف میں معذور جانو' جب ان کو حقیقت کا پتہ چلا تو انہوں نے اپنے اپنے مذہب کا مدار قصوں اور افسانوں پر رکھا'' (۳) ''ہر ایک کو اس کی ضرورت کے موافق علم دے کر تسلی عطا کی ہے''

کو زیادہ علم کی ضرورت ہے۔ سو اطاعت کی برکت سے اتنا علم ضرور ہو جاتا ہے کہ پھر شبہ نہیں ہوتا۔ اہل اللہ کو دیکھا انہیں وساوس کبھی نہیں آتے۔ وساوس کا علاج سوائے اطاعت وفنا کے کچھ نہیں۔ خوب سمجھ لو۔

اطاعت سے کشف اسرار کی شرط

اور اس کے متعلق ایک اور ضروری بات سمجھائے دیتا ہوں کہ یہ برکت اطاعت میں جب ہوگی کہ اس کو بقصد اطلاع اسرار نہ اختیار کیا جاوے ورنہ کچھ بھی نہ ہوگا، یہ تو غرض کے واسطے اطاعت ہوئی جیسے کوئی بادشاہ کے یہاں صبح وشام ہر روز دوبار حاضری دے آیا کرتا ہے اور لوگوں کے پوچھنے پر کہہ دیتا ہے کہ میں اس خیال سے جایا کرتا ہوں کہ ہمیں خزانہ شاہی کا حال معلوم کرنا ہے۔ شاید مہربان ہو جاوے اور خزانہ میں آنے جانے کی ممانعت مجھ سے اٹھا دی جاوے۔ خفیہ پولیس نے خبر لگا کر بادشاہ کو اس کے مقصود سے مطلع کیا کہ حضور یہ آپ کا طالب نہیں ہے آپ کے اسرار معلوم کرنا چاہتا ہے اس کو بھید لینا ہے آپ کے خزانوں کا۔ عجب نہیں بادشاہ اس کی اس حرکت پر اُسی دن حکم دے دے کہ دربار کی حاضری بند ایسے شخص کو ہرگز نہ آنے دیا جاوے مگر بادشاہ کو تو اس کی نیت کی اطلاع خفیہ پولیس کے ذریعے سے ہوئی اور اللہ تعالیٰ کو تو بلاواسطہ اطلاع ہے۔ اگر اس غرض سے اطاعت کسی نے شروع کی کہ اس کو اسرار کی اطلاع ہو جاوے تو یہ غرض کی اطلاع ہوئی، پھر نہیں ہوگی اطلاع۔

اطاعت اطاعت کی غرض سے کرنا چاہیے۔ اسرار کا قصد ہی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ بقدر آپ کی تسلی کے اسرار کی بھی اطلاع کر دیں گے۔ بس طریق یہ ہے جس کو اہل اللہ نے تجویز کیا ہے۔ اس لیے وہ اسرار قصداً نہیں بیان کرتے سب جوابوں کا جواب یہی دیتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے یا ہم نہیں بتلاتے بجز اس کے کہ مالک اور محبوب کا حکم ہے کرنا چاہیئے اور یہی وہ مبنی ہے جو اعمال کے سب ارواح کی روح ہے(۱)۔ اور جو منشا ہے

(۱) یہی بنیاد ہے اس بات کی کہ تمام اعمال کی جو روح ہے ان کی یہ روح ہے۔

اس وعظ کے روح الارواح (۱) کے ساتھ مسمّٰی ہونے کا۔ پس اصل جواب مشترک تو اس سوال کا جو کہ شروع وعظ میں مذکور ہے کہ احکام میں کیا مصلحتیں ہیں یہی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ہر عمل اور حکم میں جدا جدا اسرار اور مصالح بھی ہیں جو محققین کے کلام میں پائے جاتے ہیں۔ سو اس پر تو سب کا اتفاق ہوا کہ احکام میں مصالح ہیں۔

مصالح باطنہ کے متعلق اہل ظاہر واہل باطن کی غلطیاں

لیکن ان مصالح کے متعلق دو جماعتوں میں دو قسم کی غلطیاں واقع ہو رہی ہیں ایک ان میں جو محض اہلِ ظاہر ہیں ایک ان میں جو محض اہلِ باطن ہیں۔ ان ہی دو جماعتوں کو میں نے شروع وعظ میں بلفظ بعض علماء تعبیر کیا ہے اور ان کے مقابل ایک تیسری جماعت جو محققین ہیں وہ ان سے محفوظ ہیں اور ان کا مسلک وہی فیصلہ ہے ان اہلِ اختلاف کی اغلاط کا، اس وقت ان ہی دونوں غلطیوں کی اصلاح مقصود ہے اور وہ ایک معرکہ کی بات ہے (۲) اور اس وقت اسی غرض سے اس آیت کی تلاوت کی گئی ہے بیان اس کا یہ ہے کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ شرائع میں حکمتیں ہیں (۳) جن کے دوسرے نام روح اور مغز اور جوہر اور حقیقت اور اسرار ہیں۔ مگر باوجود اس اتفاق کے ان کے ساتھ معاملہ غیر محققین کا مختلف ہوا البتہ محققین جو کہ جامع ہوتے ہیں ظاہر وباطن اور صورت وحقیقت کے وہ حکمت باطنی اور صورت ظاہری دونوں پر عمل کرتے ہیں۔ مثلاً صورت بھی بناتے ہیں نماز کی اور اس کی حکمت کہ توجہ الی اللہ ہے جو اس کا مغز ہے اس کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔ پس وہ دونوں کو جمع کرتے ہیں۔ باقی غیر محققین میں سے جو محض اہلِ قال ہیں وہ یہ غلطی کرتے ہیں کہ عمر بھر صورت ہی پر اکتفا کرتے ہیں روح یعنی توجہ الی اللہ کی طرف التفات نہیں کرتے نہایت نادان ہیں کہ نماز پڑھتے ہیں۔ سب کچھ ہے سمتِ قبلہ بھی وضو بھی رکوع بھی سجدہ بھی مگر مقصودِ اعظم کی فکر نہیں نہ توجہ اور نہ اس کی تحصیل کی کوشش۔ بس ہم سوالوں (۴) کی نماز یہ ہے پھر سمجھتے ہیں کہ کامل نماز ہے۔ مگر یہ غلطی محض

(۱) اس کی وجہ سے اس وعظ کا نام روح الارواح رکھا ہے (۲) اور اتفاق سے اس میں جواب شافی بھی ہے، اس سوال کا جس کا جواب رسالہ الکاشف الاسرار میں دیا گیا ہے جس سے غلطیوں کا زیادہ اندیشہ ہے ۱۲

(۳) شریعت کے تمام احکامات میں حکمتیں ہیں (۴) ہم جیسوں کی نماز۔

عملی ہے اوراس کے ساتھ ہی باطن کے وہ منکر نہیں۔ اب رہ گئے وہ غیر محققین جو محض اہل باطن سمجھے جاتے ہیں وہ صوفیہ منکرین ہیں ظاہر شریعت کے۔ ان کی حالت یہ ہے کہ انہوں نے صرف باطن کو دیکھا۔ انہوں نے سمجھا کہ مقصود اصلی ہے۔ انہوں نے صورت کو بالکل ہی اڑادیا۔ انہوں نے سمجھا کہ نماز رکوع سجدہ پوست ہے۔ مغز نہیں مقصود محض مغز ہوتا ہے ۔ پوست حذف کردیا جاوے انہوں نے توجہ کو کافی سمجھا۔ لہذا صورتِ ارکان کو انہوں نے بے وقعت قرار دیا حتیٰ کہ بعضوں نے صاف کہہ دیا کہ نماز بہیئت کذائیہ فرض نہیں اسی طرح ستر عورت کی روح لباس تقویٰ عن الحرام (حرام سے پرہیز کرنا) قرار دیکر اور اسکو اپنے نزدیک حاصل کر کے سمجھے کہ ظاہر بدن کا ڈھکنا فرض نہیں برہنہ رہنا جائز ہے۔ روزہ کی حقیقت قوت بہیمیہ کا توڑنا سمجھے اُس کو اپنے زعم میں توڑ ڈالا اب ضرورت روزہ کی نہیں۔ حج کی روح معیت مع اللہ اور کیفیت محبت وعشق کی نکالی اور بزعم خود کیفیت عشق ومحبت کی حاصل کر کے اپنے زعم میں جو حج کا مقصود تھا وہ حاصل کرلیا اور اپنے مشرب کے لیے بزرگوں کے کلام ذووجوہ سے استدلال کیا اور اپنے مذاق پر ڈھال کر تمام احکام پر ایسا ہی تصرف کیا اور شریعت ظاہرہ کو اڑادیا۔

اہل ظاہر واہلِ باطن کی غلطیوں پر ایک تفاوت عظیم

اور اہل ظاہر پر طعن کیا کہ زکوٰۃ پر خوش ہیں حالانکہ جب تک حب مال نہ زائل کریں (۱) تو سب بیکار ہے۔ غرض اہل صلوٰۃ اہل زکوٰۃ پر طعن کئے اور ان پر ہنسے۔ جس کا انجام ان کے لیے کفر اور دوسروں کے لیے مطلق العنانی ہوا (۲)۔ پھر انہوں نے تو ریاضت مجاہدہ کے بعد یہ کیا دوسروں نے بلا ریاضت مجاہدہ نماز روزہ چھوڑ کر فسق وفجور اختیار کیا طوائفوں میں ٹھیرے منہ کالا کیا۔ اور کسی نے اعتراض کیا تو کہہ دیا کہ میاں ہمہ اوست (۳) کون کرتا ہے کون کراتا ہے۔ ایسے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوشش کو مٹانا چاہا۔ لیکن اسلام کے حافظ حضرت حق ہیں۔ ان کا وار چلا نہیں۔ انہوں نے کوتاہی نہیں کی شریعت بزبان حال ان سے خطاب کر رہی ہے ؎

قتل ایں خستہ بشمشیر تو تقدیر نبود　　ورنہ ہیچ از دل بے رحم تو تقصیر نبود

(۱) مال کی محبت دل سے نہ نکالیں (۲) بالکل آزادی (۳) سب کچھ وہی کراتا ہے۔

تم نے تو کسر نہ چھوڑی میرا مٹنا مقدر نہ تھا نہ مٹا سکے خدا کا ہاتھ میرے سر پر تھا

خدائی چراغ کو کوئی نہیں بجھا سکتا۔ پس ایک جماعت نے روح کی طرف التفات نہیں کیا۔اور ایک نے صورت کی طرف۔

روح الاعمال کے درجات ضعیفہ سے کوئی عمل اہل ظاہر کا خالی نہیں اور اس کی مثال

لیکن پھر بھی ان دونوں میں تفاوت عظیم ہے۔ جنہوں نے روح کی طرف التفات نہیں کیا، انہوں نے روح کا انکار نہیں کیا۔ اور جنہوں نے صرف روح کو لیا انہوں نے صورت کا انکار کیا نیز جنہوں نے روح کی طرف التفات نہیں کیا وہ روح کو بالکل چھوڑے ہوئے نہیں ہیں یہ ایک باریک بات سمجھنے کے قابل ہے۔ یعنی روح کے درجات متفاوت ہیں۔صوفیہ نے روح کے بعض درجات کو ذکر کیا ہے۔ رمضان کے وعظوں میں میں نے انہیں ارواح کو بیان کیا ہے۔لیکن ارواح میں ان کے علاوہ اور مراتب بھی ہیں گو ان سے ضعیف ہوں جیسے انسان زندہ ہوتا ہے روح حیوانی سے اور اُس کے مراتب مختلف ہیں۔ ایک پہلوان قوی الجثہ کے اندر روح ہے اس کی روح ایسی قوی ہے کہ چلتا پھرتا ہے شہ زوروں کو اٹھا کر پٹک دیتا ہے۔ سیر سیر بھر کھا جاتا ہے پیسوں کو مَل دیتا ہے۔ ایک ایسے بیمار کی روح ہے جو چار برس سے مدقوق ہے(۱) اور اسکی دق درجۂ ثالث (۲) کو پہنچ گئی ہے۔ کھانسا بھی نہیں جاتا۔ آنکھ کھولنے میں بھی تکلیف۔ اس کی روح بہت ضعیف ہے۔لیکن ایسی با قدر ہے کہ اس کی خاص طور سے حفاظت کی جاتی ہے۔ اس کو صدمات سے بچایا جاتا ہے۔ اس کی ایسی قدر ہے کہ وہ خود ہی چار دن بعد مرنے والا ہو۔لیکن اگر کوئی اس کو مار ڈالے تو پھانسی ہوگی۔قوی الجثہ پہلوان اور مریض مدقوق دونوں کے مار ڈالنے میں ویسی ہی پھانسی ہوگی۔ بلکہ جو ایسے مریض کو مار ڈالے تو اس کو علاوہ پھانسی کے یہ بھی ملامت کی جاویگی کہ شرم نہیں مرتے کو مارا قانون کے مرتبے میں پھانسی اور رنج کے طور پر ملامت۔پس ایسا مریض گو کمزور ہے لیکن روح سے خالی

(۱) تپ دق میں مبتلاء ہے (۲) بیماری آخری درجہ میں ہے۔

نہیں گو روح ضعیف سہی۔اسی طرح اعمال کی روح کو سمجھو۔پس منکرین ظاہر کہتے ہیں کہ صورت کو لیکر بیٹھے ہیں یہ معترض نادان یہ نہیں جانتا کہ یہ صورت محضہ نہیں ہے (۱)۔اس میں بھی روح ہے گو ادنیٰ درجہ کی سہی۔پس جس وقت نیت نماز کی باندھی وہی نیت روح ہے نماز کی، چنانچہ اگر نیت نہ ہو روزہ صحیح نہ ہو خواہ دن بھر کچھ نہ کھائے نہ پیے روزہ کی شرط نیت ہے۔اور نیت فعل القلب ہے۔جب نیت کی بس روح متحقق ہوگئی۔جنیدؒ و شبلیؒ کے اعمال میں بڑی قوی روح ہے کہ نیت بھی زیادہ خالص اور توجہ الی اللہ بھی مستمر ہمارے اعمال میں ضعیف ہے لیکن ہے ضرور مگر اس ضعیف روح کا بھی جو شخص حق ضائع کرے گا وہ بھی سرکاری مجرم ہوگا چنانچہ ان مدعیان تصوف نے اس روح کا حق ضائع کیا۔اور عجب نہیں جنیدؒ کی نماز سے زیادہ سرکار عالی میں ہماری نماز کی حفاظت کی جاوے کیونکہ اس میں بہت ہی ضعیف روح ہے کہیں نکل نہ جاوے۔خیر یہ تو لطیفہ ہے ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ ہماری نماز زکوٰۃ بے روح نہیں۔اس مدعی نے ہماری زکوٰۃ پر اعتراض کیا کہ زکوٰۃ دینے سے کیا ہوا جبکہ صفت بخل زائل نہ ہوئی۔لیکن اس نے یہ نہ دیکھا کہ اتنی تو بخل کی صفت گئی کہ پچاس روپے دیدیئے۔غرض ہماری زکوٰۃ بالکل بے جان تو نہیں معترض نے ہماری نماز کوٰۃ کو پوست بے مغز سے (۲) تشبیہ دی لیکن وہ تشبیہ غلط ہے البتہ اس کی تشبیہ ہے پوست بامغز کم روغن کے ساتھ مغز، ہے لیکن کم روغن سے سوکھا روکھا مگر ہے ضرور، ایسا ہے کہ جتنا روغن اچھے مغز سے ایک سیر میں نکلتا یہاں چار میں سے نکلے گا (۳)۔حضرت جنیدؒ کی دو رکعتیں ہمارے بیس رکعتوں کے برابر ہونگی جمع ہوکر ان شاء اللہ تعالیٰ بامغز کے برابر ہو رہے گا (۴)۔الحمد للہ یہ علم عظیم آج ہی عطا ہوا ہے۔گو یہ مضمون ذہن میں مدت سے تھا، لیکن مبہم تھا (۵) اس کی تفسیر کبھی بیان نہیں کر سکا۔میں سوچتا تھا کہ کیا چیز اٹکی ہوئی ہے جو زبان پر نہیں آتی سو آج وہ مضمون زبان پر بھی آ گیا۔الحمد للہ غرض نیت بھی روح ہے گو ادنیٰ درجہ کی روح ہے (۶)۔تو ہماری

(۱) نری صورت ہی نہیں ہے (۲) بغیر گری کے بادام (۳) اچھے بادام میں سے جتنا روغن بادام ایک سیر میں سے نکلتا یہاں چار سیر میں سے نکلے گا (۴) بہت سی عبادات جمع ہوکر ہمارے لیے ان شاء اللہ مفید ہو جائیں گی (۵) واضح نہیں تھا (۶) نماز کا ظاہر ارکان اور روح توجہ الی اللہ اور نیت بھی ادنیٰ درجہ کی توجہ الی اللہ سے پس ہماری نماز بے روح نہیں ہے۔

نماز بے روح نہیں ۔ پس ان کے یہاں روح بلاصورت ہے[۱] اور ہمارے یہاں صورت مع الروح الضعیفہ[۲] (کمزور روح کے ساتھ)

مدعیان باطن کے پاس ظاہری اعمال کا باطن بھی نہیں کیونکہ نماز کی روح مطلق توجہ نہیں بلکہ خاص وہی توجہ جو نماز کے ضمن میں ہو

اب میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ جن کو دعویٰ نری روح کا ہے ان کے یہاں روح بھی نہیں اگر میں اول سے یہ دعویٰ کرتا تو تسلیم بھی نہ کیا جاتا اس لیے اول روح بلاصورت کا دعویٰ کیا۔ اب ان شاء اللہ اس کو بھی ثابت کئے دیتا ہوں کہ روح بھی نہیں اور اس میں جواب ہو جاویگا بعضی ایسی کتابوں کا بھی جنکی نسبت میرا خیال تھا کہ ان کا جواب ہونا چاہئے سو بحمداللہ بلا قصد اس کا جواب ہو گیا۔ گو مختصر ہے لیکن الحمد للہ پورا جواب ہے۔ رنجک (وہ بارود جو بندوق کی پیالی میں رکھی جاتی ہے جس سے پہاڑ اڑائے جاتے ہیں) تھوڑی سی ہوتی ہے لیکن پہاڑ اڑانے کے واسطے کافی ہے۔ پس میں کہتا ہوں کہ جس کو وہ لوگ بلا نماز کے روح نماز کی سمجھتے ہیں وہ روح نماز ہی نہیں یہ میرا دعویٰ ہے۔

تحقیق اس کی یہ ہے کہ بعض ارواح کے تحقیق کے بعض شرائط ہوتے ہیں۔ قاعدہ عقلیہ ہے کہ بلا شرط کے مشروط نہیں پایا جاتا۔ پس نماز کی جو روح ہے یعنی توجہ الی اللہ (اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا) نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ بدون[۳] نماز کی صورت کے نماز کی اس روح کا تحقق ہی نہیں ہوتا یعنی جب نماز مع توجہ الی اللہ (اللہ کی طرف توجہ کرنے کے ساتھ) فرض کی گئی تو اس سے ثابت ہوا کہ مطلق توجہ الی اللہ نماز کی روح نہیں ہے بلکہ خاص وہی توجہ الی اللہ جو نماز کے ضمن میں پائی جاوے اور ظاہر ہے کہ بدون نماز کے نہ پائی جاوے گی ۔ پس ان کا یہی دعویٰ غلط ہے کہ ہم نے نماز کی روح بدون نماز کے حاصل کر لی ہے مثلاً روح انسانی کے فیضان کے لیے بدن انسانی کا شرط ہونا معلوم ہے تو اگر گائے سامنے آوے اور یہ کہا جاوے کہ اس کے اندر روح انسانی ہے تو اس کی کبھی کوئی تصدیق نہ کرے گا کیونکہ عادۃ اللہ یوں ہی جاری ہے کہ روح انسانی کا

(۱) روح ہے صورت نہیں (۲) ہماری نماز صورت کمزور روح کے ساتھ ہے (۳) ہیئت نماز کے بغیر

جب تحقق ہوگا۔اسی قالب انسانی (۱) میں ہوگا۔پس کہیں گے کہ گائے کے اندر روح حیوانی ہے، روح انسانی نہیں۔ وہاں اللہ تعالیٰ کے فعل سے یہ بات معلوم ہوئی، یہاں اللہ تعالیٰ کے قول سے کہ اُرْكَعُوْا اُسْجُدُوْا (رکوع اور سجدہ کرو) سے مع وعید ترک نماز یہ معلوم ہوا کہ نماز کی روح نماز سے مجرد ہوکر کبھی پائی نہیں جاسکتی۔ جب قالب نہیں ہے تو روح جس کا دعویٰ ہے وہ نماز کی روح ہی نہیں کسی اور چیز کی روح ہوگی چاہے مشابہ روح نماز کے ہو۔

مدعیان باطن کا حال

اب ایک اور ترقی کرتا ہوں کہ جس طرح وہ نماز کی روح نہیں اسی طرح کسی دوسری چیز کی بھی روح نہیں۔ پس کسی قسم کی بھی روح نہیں۔تقریر اس کی یہ ہے کہ نماز کی روح اللہ کی یاد ذکر اللہ یا خلوص یا مثلاً عبادت کی روح محبت وعشق یہ سب جب پایا جاوے گا کسی نہ کسی تشخص کے ساتھ پایا جاویگا کیونکہ مطلق من حیث ہو مطلق (اس اعتبار سے کہ وہ مطلق ہے) نہیں پایا جاسکتا جب پایا جائے گا کسی تشخص کے ساتھ ہوگا۔کلی مرتبۂ کلی میں کبھی نہیں پائی جاسکتی جس طرح کہ انسان جب کبھی پایا جاوے گا کسی نہ کسی شخص کے ضمن میں پایا جاوے گا یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ زید بھی نہ ہو بکر بھی نہ ہو اللہ بخش بھی نہ ہو کوئی نہ ہو اور انسان ہو۔اب ہم دیکھتے ہیں کہ روح یعنی توجہ الی اللہ کے جو افراد مطلوب ہیں وہ اس شخص کے ساتھ تو مطلوب نہیں جو بلاواسطہ کسی عمل ظاہری کے ہو کیونکہ ان میں کوئی مشقت وکلفت ومجاہدہ ہی نہیں بلکہ مطلوب خاص وہ افراد ہیں جو ضمن میں کسی عمل ظاہری کے ہوں پس اگر کوئی عمل ظاہری نہیں تو وہ تشخص نہیں اور کلی من حیث ہو کلی (۲) کا وجود ہوتا نہیں پس وہ توجہ الی اللہ ہی نہ پائی گئی۔اس لیے ہم کہتے ہیں کہ کوئی روح ہی نہ پائی گئی نہ نماز کی نہ غیر نماز کی اور اگر کوئی عمل غیر نماز کیا ہے تو صورت کی حاجت ہوتی۔تو اے مدعی پھر وہی صورت کیوں نہیں قبول کرتا جو محبوب نے تجویز کی۔ ہم تو تیری نفی صورت کو جب جانتے جب نری روح کو لاکر کھڑا کر دیتے۔ جب صورت سے چارہ نہیں تو صورت مجوزہ محبوب سے کونسی اچھی صورت ہوگی۔ایک سیاح نے ایک جوگی کو

(۱) جسم انسانی (۲) کلی کا وجود کلی ہونے کی حیثیت سے یا غیر ظاہری وجود کے موجود نہیں ہوتا۔

دیکھا جو قشقہ لگائے ہوئے مندر میں بیٹھا تھا۔ مگر اس کے چہرہ سے نورِ ایمان نمایاں تھا۔ کیونکہ ایمان کا نور چھپا نہیں رہ سکتا چاہے لاکھ پردوں میں ہو، اس سیاح نے اس جوگی سے خلوت میں پوچھا تو اس نے اقرار کیا کہ ہاں میں مسلمان ہوں وجہ اس ظاہری وضع کی دریافت کی تو کہا اسلام میں قیود بہت ہیں۔ میں آزاد ہوں قیود سے وحشت ہوتی تھی۔ سیاح نے کہا شرم نہیں آتی اطلاق کا دعویٰ ہے تو یہاں بھی قید کفر کی ہے وہاں قید اسلام کی تھی۔ وہاں زمزم کی قید تھی تو یہاں گنگا کی قید ہے وہاں سیمائے سجدہ تھا تو یہاں قشقہ ہے۔ وہاں قمیص وقبا تھا تو یہاں زنّار ولنگوٹ ہے۔ غرض اطلاق کا محض دعویٰ ہی ہے آزادی یہاں بھی نہیں ہاں البتہ اتنا فرق ہے کہ ایک قید محبوب کو پسند ہے اور ایک ناپسند۔ پس تنبّہ ہوا، چونکا فوراً توبہ کر کے مسلمان ہوا اور بزبان حال پڑھا ؎

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی مرا باجان جاں ہمراز کردی(۱)

ایسی غلطیاں بڑوں بڑوں کو ہو جاتی ہیں یعنی عوام کے نزدیک وہ بڑے ہیں جن کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ (اللہ تعالیٰ کی ان پر رحمت نازل ہو) لگا ہوا ہے ورنہ دراصل تو بڑا وہ ہے جو متبع شریعت ہو۔

ولایت کی مشابہت شعبہ نبی پر ہے

کیونکہ ولایت شعبہ ہے نبوت کا جتنا کوئی نبی کے مشابہ ہوگا اتنا ہی وہ بڑا ہوگا، حاصل یہ ہے کہ ان کو جو روح ہے وہ روح بھی نہیں ہے۔ موٹی بات ہے کہ گنے کا رس گنے سے حاصل ہو کر پایا جا سکتا ہے۔ انگور سے نہیں جو رس انگور سے حاصل ہوگا وہ انگور کا شیرہ ہوگا گنے کا رس نہ ہوگا، گو مشابہ گنے کے رس کے ہو۔ اس راہ میں بہت دھوکے ہو جاتے ہیں۔

مغلوب الحال لوگوں کا نہ اقتدا کیا جاوے

بعضے بڑوں کو بھی دھوکے ہوئے ہیں، اور وہ چونکہ مر گئے ہیں اس لیے ہم ان کی شان میں گستاخی کرنے سے زبان کو بچاتے ہیں کہ اللہ کا نام لینے والے تھے۔ یہ اللہ

(۱) ''اللہ تعالیٰ تجھے اچھا بدلہ دیں کہ تو نے میری آنکھیں کھول دیں اور میرا محبوب حقیقی سے تعلق کر دیا ہے''

کے نام کا ادب ہے۔ لیکن ان کے مقالات سے ہم قرآن وحدیث کو نہیں چھوڑ سکتے، ان کے حق میں یوں تاویل کرلیں گے کہ ان سے غلطی ہوئی حال کا غلبہ ہوگیا۔ غرض جو تاویل ہوسکے گی کریں گے۔ چاہے وہ واقعی ہو یا غیر واقعی۔ جب کوئی نہ مانے گا تو ہم صاف طور سے کہیں گے کہ ہم ان کی نہیں مانتے وہ کوئی نبی نہیں تھے فرشتے نہیں تھے جن کا ماننا فرض ہو، یہ طریق ہے بڑا نازک اہلِ باطن سے جو غلطی ہوتی ہے وہ کفر تک پہنچ جاتی ہے اور اہلِ ظاہر کی غلطی محض معصیت (۱) تک رہتی ہے۔ اسی واسطے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ نحن نخاف الکفر وانتم تخافون المعصیة تم تو غلطی سے گناہ ہی کا خوف کرتے ہو ہم کو تو کفر کا اندیشہ ہے۔ فرماتے ہیں ؎

درِ راہِ عشق وسوسۂ اہرمن بسی است ہشدار وگوش رابہ پیام سروش دار (۲)

طریقہ باطن میں تلبیسات

ہزاروں وسوسے ہزاروں خطرے یہاں تک حالت ہے کہ بعض کے سامنے شیطان ایک آسمان پیش کردیتا ہے جس میں اشکال مثل فرشتوں کے نظر آتے ہیں۔ جو گفتگو کرتے ہیں۔ پھر وہ لوگ کسی مولوی کو نہیں سنتے۔ ایک بزرگ کو روح کا نور منکشف ہوا۔ بوجہ غایت لطافت کے اس کو وہ نورِ حق سمجھے اور تیس برس تک اس غلطی میں مبتلا رہے، تیس برس کے بعد سمجھے کہ یہ تو روح کا نور تھا سخت حرمان ہوا کہ میں اتنے عرصہ تک شرک میں مبتلا رہا۔ اسی واسطے بہت بڑے شیخ کامل محقق جامع بین الظاہر والباطن (ظاہر وباطن کا جامع) کی ضرورت ہے جس کی یہ شان ہو ؎

بر کفے جام شریعت بر کفی سندان عشق ہر ہوسنا کے ندارند جام وسنداں باختن (۳)

یہ نہ نرے صاحب ظاہر کا کام ہے کہ صاحب ظاہر اہلِ باطن کی غلطیاں نہیں نکال سکتا۔ نہ نرے صاحب باطن کا کام ہے کہ اس کی بھی نظر ناتمام ہے اس وجہ سے

(۱) صرف گناہ تک رہتی ہے (۲) طریق باطن میں شیطان کے وساوس اور خطرات ہیں اور ان سے بچنا چاہتے ہو تو ہوشیار رہو اور شریعت کا اتباع کرو'' (۳) ''ایک ہاتھ میں جام شریعت ہو دوسرے ہاتھ میں سندان عشق۔ یعنی شریعت اور حقیقت دونوں میں ماہر ہو شریعت اور حقیقت طریقت دونوں میں پورے طور سے واقف ہونا ہر ہوسناک کا کام نہیں ہے''۔

بہت بڑے جامع بین الظاہر والباطن (ظاہر و باطن کے جامع و ماہر) کی ضرورت ہے الحمدللہ کہ ایسا جامع شخص اس زمانہ میں حق تعالیٰ نے پیدا فرما کر دکھلا بھی دیا۔ اس شخص کا نام ہے (امداد اللہ)

حضرت حاجی شاہ امداد اللہ صاحب کی شان تحقیق کا بیان

(ان الفاظ کو نہایت جوش وخروش سے فرمایا اور بے اختیار آنکھوں میں آنسو آ گئے جس کا اثر سامعین پر بے حد پڑا اور بہت سے لوگوں پر جن میں بعضے انگریزی خواں بھی تھے بے اختیار گریہ طاری ہو گیا۔ بعد کے بھی کلمات اسی جوش وخروش سے بمشکل گریہ کو ضبط فرما کر متغیر لہجہ میں فرماتے رہے۔ جامع) وہ شخص فن تصوف کا مجتہد تھا امام تھا مجدد تھا۔ اس نے کفر وایمان کو بالکل الگ الگ کر دیا حق و باطل کو جدا کر دیا فن کو ایسا صاف کیا ہے کہ کہیں گنجلک نہیں رہی۔ ظاہری حالت بالکل معمولی تھی نہ جبہ تھا نہ عبا تھا، نہ قبا تھا، نہ کے ایک شیخزادے معلوم ہوتے تھے۔ لیکن سبحان اللہ حق تعالیٰ نے اس شخص میں کیا کمال رکھا تھا۔ جب ہی تو بڑے بڑے علماء نے اُدھر رجوع کیا۔ مگر حق یہ ہے کہ اس شخص کو سب علماء نے بھی نہ پہچانا۔ انہوں نے یہ مذکورہ غلطیاں رفع کی ہیں (گریہ و جوش وخروش جاری ہے) ہم پر دو زمانے گزرے ہیں ایک وہ کہ صوفیہ میں جو ذرا ظاہر کے خلاف نظر آیا اسے گمراہ سمجھے اور ایک وہ زمانہ گزرا ہے کہ کوئی صوفی چاہے جتنا گمراہ ہو اسے بھی کامل سمجھے اس شخص کی بدولت معلوم ہوا کہ دونوں راہ غلط تھے۔ الحمدللہ اب غلطی ایسی نظر آتی ہے کہ غلطی کرنے والا بھی سمجھ لیتا ہے کہ دکھتی ہوئی پکڑی ہے، اگر صاحب تلبیس (فریبی ومکار) بھی سنتا ہے اس کا دل بھی مان لیتا ہے۔ محض یہ کہنا کافر کافر اس سے غلطی نہیں نکلتی اس غلطی کے متعلق جو اعمال کے ظاہر و باطن کے باب میں مذکور ہوئی ہے۔ ایک درویش سے بھی سوال کیا گیا ہے۔

ایک رسالہ کا خلاصہ اور اس کا صحیح نہ ہونا

انہوں نے ایک رسالہ کی شکل میں شریعت وطریقت کو ظاہر اور حقیقت ومعرفت کو باطن قرار دیکر متبعین نبی کے دو فرقے ٹھیرادیے ہیں وہ بھی جو باطن اصطلاحی

کو لیے ہوئے نہیں اور وہ بھی جو ظاہر کے بالکل تارک ہیں اور دونوں کو متبعین نبی بتلایا ہے بلکہ ان دونوں میں طرف اہلِ باطن کو ترجیح دی ہے اور اہل ظاہر پر طعن کیا ہے۔ اس میں ایک غلطی یہ بھی ہے کہ ان الفاظ کو عمل کے چار درجوں کا نام سمجھے ہیں جن میں اصطلاحی معنی بھی متروک ہو گئے۔

الفاظ شریعت وطریقت وحقیقت

کیونکہ شریعت کہتے ہیں مجموعہ احکام الٰہیہ کو جن میں احکام ظاہر و باطن سب داخل ہیں۔ احکام ظاہری واحکام باطنی میں تضاد نہیں بلکہ احکام ظاہری کے معنی یہ ہیں کہ احکام متعلق بالظاہر مثلاً حکم ہے کہ اقیموا الصلوٰۃ یعنی نماز پڑھو اور ادائے حقوق کے ساتھ پڑھو اس میں دو احکام ہیں ظاہر و باطن ظاہر ادائے ارکان بااعتدال اور باطن اخلاص وخشوع جو حقوق صلوٰۃ میں داخل ہیں متاخرین کی اصطلاح میں احکام باطن کی تحصیل کے طریق کو طریقت کہتے ہیں اور شریعت اس سب مجموعہ کا نام ہے۔ طریقت اسی کا ایک جزو ہے۔ جیسے شریعت کا ایک جزو کتاب الصلوٰۃ ہے ایک کتاب الزکوٰۃ ہے ویسے ہی اس کا ایک جزو کتاب الشکر ایک جزو کتاب الصبر ایک جزو کتاب الاخلاص ایک جزو کتاب المحبۃ بھی ہے۔ غرض طریقت شریعت ہی کا ایک جزو ہے اس کے مقابل کوئی چیز نہیں ہے۔ اور شریعت مجموعہ ہے ان سب کا پھر جب آدمی شریعت پر پورا پورا عمل کرتا ہے تو اس سے حسب استعداد بعض وجوہ تکوینیہ (۱) تعلق ہیں الحق والخلق (خالق اور مخلوق کے درمیان) کے منکشف ہوتے ہیں۔ مثلاً مسئلہ تقدیر کی تحقیق تجدد امثال کی کیفیت روح کی حقیقت جن کا عدم انکشاف بھی مضر نہ تھا (۲) اور بعض وجود تشریعیہ تعلق مذکور کے منکشف ہوتے ہیں جس کو علم معاملہ کہتے ہیں۔ اور جس کا انکشاف حسب استعداد لازم ہے ان وجوہ کو حقیقت کہتے ہیں۔ ان انکشافات سے خدا تعالیٰ کی شناخت بڑھتی ہے۔ اس کو معرفت کہتے ہیں۔ یہ تحقیق ہے ان الفاظ کی نہ یہ کہ چاروں متقابل ومتغایر

(۱) بعض ایسی تکوینی صورتیں جن کا بندے اور رب میں تعلق ہے واضح ہو جاتی ہیں (۲) ان کا واضح نہ ہونا بھی کچھ نقصان کا باعث نہ تھا۔

ہیں۔ جیسے حیدر آباد میں چار منارے ہیں۔ بحمد للہ اس تقریر سے سب غلطیاں لفظی ومعنوی سب رفع ہوگئیں اور ثابت ہوگیا کہ نرے باطن پر اکتفا کیا تو محض باطل ہے اور جسکو ظاہر پر اکتفا کرنا سمجھا جاتا ہے وہ محض عاطل (بیکار) نہیں۔

محض ظاہر والا محض باطن والے سے اچھا ہے

پس نرا ظاہر والا نرے باطن والے سے اچھا ہے کیونکہ وہاں ظاہر تو خود ان کے اقرار سے ہے ہی نہیں اور باطن بھی دلیل سے ثابت ہو چکا کہ نہیں اور یہاں ظاہر کے ساتھ باطن بھی ہے گو کم ہی سہی پس نرا باطن والا ازیں سو رانده ازاں سو مانده (نہ اِدھر ہی کا نہ اُدھر کا) کا مصداق ہے مسئلہ تو بفضلہٖ تعالیٰ ثابت ہو چکا۔

اہل باطن کے اقوال کی توجیہ

اب اگر مسلم حضرات میں سے کسی نے اس کے خلاف کہا ہے یا کیا ہے تو اس میں تاویل کریں گے اور اگر تاویل نہ ہوسکے کہدیں گے کہ غلطی، ایسے لوگ اولیاء متہلکین (ہلاک ہونے والے) کہلاتے ہیں باقی یہ کہ ایسے لوگوں کے ساتھ معاملہ کیا ہوگا۔ یقینی تو یہ حق تعالیٰ کو معلوم ہے باقی ظن یہ ہے کہ چونکہ نیت بری نہیں تھی ممکن ہے معاف کر دیئے جاویں دیکھئے اجلاس حکام میں بڑے بڑے خون ناحق نیت بُری نہ ہونے سے معاف ہوجاتے ہیں۔ رہا یہ کہ بعض اقوال وافعال منقولہ تو قاعدہ سے کفر معلوم ہوتے ہیں (۱)۔ سو کفر کس طرح معاف ہوسکتا ہے لیکن یہ ایک دقیق بات ہے جس سے وہ کفر نہیں ہوسکتا اور یہ بھی میں ہی کہہ رہا ہوں اور کسی مولوی سے تو کہلوا لو۔ اور یہ سب حضرت کا طفیل ہے۔ حضرت کی جوتی سیدھی نہ کی ہوتی تو ہم کو بھی فتویٰ کفر میں باک نہ ہوتا۔ مگر ہم نے وہاں ادب ہی ادب دیکھا۔ حضرت بہت سے کفر کے فتوے کے موارد کو بھی یہی فرماتے تھے کہ نہیں صاحب باطن تھے غلطی میں پڑ گئے۔ جب سے وہاں یہ حال دیکھا، ہم بھی ایسے فتوے سے بچنے لگے ہیں۔ ایک بار مولوی محمد احسن صاحب ایک تارک ظاہر کا کفر ثابت کر رہے تھے اور حضرت ان کی تقریر کا رد فرما رہے تھے۔ اللہ اکبر اس قدر حلم وکرم

(۱) ان کی بعض باتیں اور عمل تو کفریہ معلوم ہوتے ہیں۔

اور وقت نظر (باریک) تھی کہ کبھی کسی کو کچھ نہیں کہتے تھے اب میں وہ دقیق بات مانع عن التکفیر سے (تکفیر مانع) بتلاتا ہوں۔ حدیث میں ہے کہ تین شخص مرفوع القلم ہیں (۱) اس میں یہ بھی ہے عن الجنون حتی یعقل (مجنون کہ جب تک ہوش درست نہ ہو مرفوع القلم ہے) اور ایک روایت میں ہے عن المعتوہ حتی یبراء یعنی مختل الحواس (جب تک صحت یاب نہ ہو) بھی مرفوع القلم ہے اور ایک روایت میں ہے عن الخرف (یعنی جس کی عقل میں بڑھاپے کی وجہ سے فتور آ گیا ہو وہ بھی مرفوع القلم) رواہ کلھا ابوداؤد (۲) (ان سب کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے) اور عتہ (مختل حواس ہونا) جس طرح مرض سے ہوتا ہے اسی طرح دوسرے اسباب باطنہ سے بھی ہوسکتا ہے (۳) گو ان اسباب کا ادراک عوام کو نہ ہو بلکہ اخیر کی روایت سے تو زوال عقل کا جنوں وعتہ میں عدم انحصار زیادہ صریح ہے (۴) بس آپ کیا سمجھ سکتے ہیں۔

بعض حالات عذر کی تعیین

ان کی کیا حالت ہوتی ہے۔ بظاہر ہوش وحواس رہتے ہیں۔ فرزند اور بیوی سب کا ہوش رہتا ہے۔ لیکن ان کی ایک ایسی حالت ہوجاتی ہے کہ ان کے اقوال وافعال غیر منتظم ہوجاتے ہیں (۵)۔ ایسی ہی حالت کو خسرؒ وحیرت سے تعبیر کرکے کہتے ہیں ؎

حیراں شدہ ام در آرزویت اے چشم جہانیاں بسویت (۶)
مائیم وتحیر وخموشی آفاق ہمہ بگفتگویت (۷)
خسرو بکمند تو اسیر ست بیچارہ کجا رود زکویت (۸)

پس ایسے حواس مختل ہوجاتے ہیں کہ پورے ہوش نہیں رہتے کہ صحیح عقیدے کیا

(۱) تین لوگوں سے مواخذہ نہیں ہوتا (۲) وتقریر استدلال بھا مذکور فی التکشف حدیث ھشتادم وھشتادودوم ۱۲ منہ استدلال کی التکشف حدیث ہشتاد وہشتادوم میں مذکور ہے (۳) حواس میں خرابی جیسے بیماری سے آتی ہے دوسرے اسباب سے بھی آسکتی ہے (۴) عقل کا زائل ہوجانا صرف جنون اور حواس میں خرابی کی وجہ سے ہی نہیں ہوتا بلکہ اور بھی صورتیں ہیں (۵) ان کی باتیں اور افعال بے ترتیب ہوتے ہیں (۶) ''تیری آرزو میں حیران ہوں اے محبوب جہان والوں کی آنکھیں تیری طرف لگی ہوئی ہیں'' (۷) ''ہم ہیں اور تحیر اور خموشی ہے تمام دنیا تمہاری گفتگو میں لگی ہوئی ہے'' (۸) ''خسرو تمہاری کمند کا قیدی ہے تمہارے کوچہ کو چھوڑ کر بیچارہ کہاں جائے''۔

ہیں سمجھ میں ایسا تغیر ہوتا ہے کہ آیتوں کے معنی اُلٹ پلٹ کر دیتے ہیں لیکن نیت بری نہیں ہوتی خلاف خدا ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قصد نہیں کرتے غلبۂ حال میں خیال ہوتا ہے کہ جو میں سمجھتا ہوں وہی ٹھیک ہے باقی سب غلط ہیں، سمجھتا ہے کہ میں ہی ٹھیک سمجھا ہوں اور علامت آمیزش نفس نہ ہونے کے یہ ہوتی ہے کہ وہ تمہارے کافر کہنے کا برا نہیں مانتا تمہارے کافر کہنے کا تو وہ کیا برا مانتا وہ اپنے کو خود فرعون سے بدتر خیال کرتا ہے۔ یہ وجدانی حالت ہے دوسرا سمجھ نہیں سکتا۔ غرض وہ ایک حیرت کی کیفیت ہے۔ وہ پیشوا نہیں ہے (۱) معذور ہے۔ کیا عجب حق تعالیٰ معاف کر دے۔ اسے شریعت کا منہدم کرنا مقصود نہیں۔ حیرت سے پریشان ہو کر کبھی ننگا پھرنے لگتا ہے، کبھی ڈاڑھی منڈا دیتا ہے، کبھی شوالہ میں گھنٹہ ناقوس جا کر بجانے لگتا ہے اس کی طرف سے میں آپ سے یہ کہوں گا ؎

شب تاریک وبیم موج وگردابے چنیں ہائل کجا دانند حال ماسبکساران ساحل ہا (۲)

کاملین کا حال

مگر یہ یاد رہے کہ اس ساحل سے مراد ادھر کا ساحل ہے جس کے کھڑے ہونے والے ابھی دریا میں بھی نہیں گھسے کیونکہ ادھر کے ساحل والے جو کہ دریا سے پار ہو چکے ہیں۔ الحمد للہ حال بھی جانتے ہیں۔ اور اگر ان کے ہاتھ میں یہ شخص ہاتھ دیدے تو بچا بھی سکتے ہیں۔ البتہ ادھر والے سوائے ہنسنے کے کچھ نہیں کر سکتے۔ سو کاملین اس ساحل پر ہیں۔ حضرت غوث پاکؒ فرماتے ہیں کہ اگر منصور میرے زمانہ میں ہوتا تو میں اس کو بچا لیتا۔ شیخ عبدالحقؒ ہمارے سلسلے کے بزرگ فرماتے ہیں کہ

منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بفریاد آمد
ایں جا مردانند کہ دریا ہا فربرند وآروغ نہ زنند (۳)

حالانکہ شیخ اس قدر مغلوب تھے کہ چالیس برس یا کم وبیش ردولی کی مسجد میں

(۱) رہنما نہیں (۲) حیرت میں ہماری حالت ایسی ہے جیسے اندھیری رات ہو اور موج کا خوف ہو اور ہولناک بھنور میں کشتی آگئی ہو تو ہمارے اس حال کی ان لوگوں کو کب خبر ہو سکتی ہے جو ہلکے پھلکے کنارے پر کھڑے ہیں دریا میں قدم نہیں رکھنا'' (۳) ''یعنی منصور بچہ تھا کہ ایک قطرہ سے جوش وخروش میں آگیا۔ یہاں مرد ہیں کہ دریا کے دریا چڑھا جاتے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیتے''

پانچ وقت نماز پڑھی لیکن راستہ نہیں یاد ہوا۔ بختیار خادم آگے آگے حق حق کہتے جاتے تھے اس آواز پر چلتے تھے۔ رستہ کی خبر نہیں مگر باوجود اس کے اس قدر سنبھلے ہوئے ہیں کہ فرماتے ہیں کہ

منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بفریاد آمد
ایں جا مردانند کہ دریا ہا فروبرند وآروغ نہ زنند (۱)

کبھی شریعت کے خلاف نہیں کیا۔

اولیاء اللہ کی مختلف شانیں

بارہ برس حضرت مخدوم صابر مراقبۂ ہوا میں مدہوش رہے۔ لیکن ایک وقت کی نماز قضا نہیں ہوئی۔ جہاں کان میں اذان دی گئی بس آنکھیں کھول دیں۔ پانی تیار رہتا تھا وضو کر کے نماز پڑھ کر پھر بے ہوش۔ بارہ برس تک یہی حال رہا۔ ان کے پیر یعنی شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ نے ڈوم (۲) کو خیریت دریافت کرنے کے لیے بھیجا۔ جس وقت پہنچا افاقہ کا وقت تھا۔ بس اتنا دریافت فرمایا کہ پیر اچھے ہیں۔ اور پھر چپ آپ کی یہ حالت تھی کہ بارہ برس تک گولر کھائے اس روز فرمایا کہ پیر کا بھیجا ہوا ڈوم ہے آج نمک ڈال دینا پیر کا مہمان ہے۔ یہاں سے وہ ڈوم دہلی پہنچا۔ حضرت سلطان جی بھی حضرت شیخ کے مرید تھے یہاں شاہی دربار تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ وزیر شاہی حاضر خدمت تھا کھانے کا وقت آ گیا، وزیر نے خیال کیا کہ مچھلی کے کباب ہوں تو اچھا ہے۔ جب خادموں نے کھانا لانے کے لیے اجازت چاہی تو فرمایا ذرا ٹھیرو جب کچھ دیر ہوگئی تو پھر آ کر عرض کیا کہ حضرت کھانا بے لطف ہوا جاتا ہے۔ آپ نے پھر فرمایا کہ ذرا ٹھیرو تھوڑی دیر بعد ایک شخص سر پر خوان رکھے ہوئے آیا اور عرض کیا کہ فلاں صاحب نے مچھلی کے کباب بھیجے ہیں۔ سلطان جی نے حکم دیا کہ اب کھانا لایا جاوے۔ اب وزیر صاحب چونکے دستر خوان لگایا گیا۔ وزیر کو خیال ہوا کہ مچھلی کے کباب اتفاقاً آ گئے ہیں، سلطان جی نے خادم سے کہا کہ مچھلی کے کباب آپ کے سامنے زیادہ رکھنا۔ آپ کو زیادہ شوق

(۱) ''یعنی منصور بچہ تھا کہ ایک قطرہ سے جوش وخروش میں آ گیا۔ یہاں مرد ہیں کہ دریا کے دریا چڑھا جاتے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیتے'' (۲) میراثی، قاصد۔

ہے وزیر کو پھر بھی خیال ہوا کہ اتفاقی بات ہے۔ تب حضرت سلطان جی نے فرمایا کہ جناب وزیر صاحب فرمائش کا تو مضائقہ نہیں لیکن ذرا وقت گنجائش دیکھ کر ہونا چاہیئے۔ عین وقت پر فرمائش کرنا تکلیف دینا ہے۔ ویسے مہمان کو حق ہے فرمائش کرنے کا۔ وزیر اب سمجھے کہ یہ میرے خطرہ کا جواب تھا۔ حضرت سلطان جی کو وزیر کی خواہش کا کشف ہوا آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ بادشاہ یہ لوگ ہیں۔ اور یہ حضرات اللہ میاں ہی سے کہتے ہیں جب کہتے ہیں جیسے کسی رئیسہ کا بچہ ہو کہ سارا حشم خدم اس کا فرمانبردار ہے۔ لیکن جب اسے کسی چیز کی خواہش ہوگی تو اپنی ماں ہی سے مانگے گا کہ اماں یہ لوں گا۔ اماں چاہے جس کو حکم دے کر اسے دلوادے۔ حضرت سلطان جی نے بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ ہی سے عرض کیا کہ کباب دیجئے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک ادنیٰ پیادہ کو حکم دیا کہ لیجاؤ ہمارے محبوب کے سامنے۔ غرض یہاں یہ سامان تھا۔ جب پیر کا ڈوم قریب پہنچا تو حشم وخدم سے اس کا استقبال کرایا اور خوب خوب کھانے کھلائے۔ چلتے وقت انعام واکرام بھی دیا۔ ڈوم نے واپس ہوکر حضرت شیخؒ سے سلطان جی کی بڑی تعریف کی اور حضرت مخدوم کے بارے میں کہا کہ وہ بڑے روکھے ہیں۔ مجھے تو کیا تمہیں بھی نہیں پوچھا۔ بس صرف اتنا دریافت کیا کہ پیر اچھے ہیں۔ یہ سن کر حضرت فریدؒ رقص کرنے لگے کہ الحمد للہ میں ابھی تک انہیں یاد ہوں ورنہ مجھے کچھ بھی نسبت نہیں رہی ہے۔ ان کے مقام سے مگر مجھے اب تک یاد رکھتے ہیں۔ ہمارے مشائخ میں بحمد اللہ ایسے ایسے بکثرت گزرے ہیں کہ جن کو ماسوا اللہ کا ہوش نہیں رہا۔ مگر ان کو اللہ کا ہوش تھا۔ اس لیے ان سے ایسی غلطیاں نہیں ہوتیں۔ اور جو مغلوب الحال غلطیاں کرتے ہیں وہ واقع میں خدا سے بھی بے ہوش ہیں۔ کیونکہ اگر بادشاہ پر پوری نظر ہو تو کوئی بے ادبی اس سے ہو نہیں سکتی۔

حضرت گنگوہی کے ایک مرید کا حال

ہمارے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید ہیں خورجہ کے وہ بڑے صاحب حال ہیں۔ ہمیشہ تڑپتے لوٹتے رہتے ہیں۔ اپنے سلسلہ کے حضرات کو دیکھ کر بلکہ ان کا نام سن کر تڑپنے چیخنے لگتے ہیں۔ مگر نماز میں ان کی کبھی آہ بھی نہ نکلی۔ یہ

اتباع سنت کی برکت ہے ؎

برکفِ جامِ شریعت برکفی سندانِ عشق ہر ہوسناکے نداند جام وسنداں باختن (۱)

عوام کو ایسے لوگوں پر گمان خالی ہونے کا ہوتا ہے۔لیکن وہ اس گمان سے خوش ہوتے ہیں۔کیمیا گر (۲) اسی میں خوش رہتا ہے کہ اسے کوئی نہ جانے کیونکہ وہ پولیس کے مواخذہ سے بچا (۳)، لوگوں کے ہجوم سے بچا جب اسے معلوم ہوا کہ لوگ اب اس کو سمجھنے لگے اور بھیڑ ہوئی بس وہاں سے روپوش ہوجاتا ہے (۴) ایسے متبع سنت کاملین پر عام لوگوں کا گمان خالی ہونے کا ہے۔لیکن وہ پورے بھرے ہوئے مگر پُر ہونے کے ساتھ اُبلتے نہیں۔تو وجہ یہ ہے کہ ان کو دوسری چیز نے روک رکھا ہے وہ نکلنے نہیں دیتی غیر ضابطہ تو تنگ ہوکر یہ کہہ اُٹھا کہ ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہٗ باز میگوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش (۵)

کاملین باوجود اس کے کہ قعر دریا میں (۴) غرق ہیں لیکن پھر بھی ان کا دامن تر نہیں ہوتا۔ ہر زمانے میں اللہ کے بندے ایسے پیدا ہوئے اور اب بھی موجود ہیں۔ عوام الناس ایسوں کو نہیں سمجھتے۔

شیخ کامل سے وابستگی کی ضرورت اور انکا اصلی کمال

پس اگر ایسی جامعیت وضبط مطلوب ہے تو کسی متبع سنت شیخ کامل کا دامن پکڑنا چاہیئے، اور بہت ہی سنبھال کر قدم رکھنا چاہیئے۔ نیز شیخ کے تجویز کرنے میں بھی عجلت نہیں چاہیئے۔ پہچان میں نہایت جانچ کی ضرورت ہے۔پس شیخ بنانے کے قابل وہ شخص ہے جو غلطیوں کا پکڑنے والا ہو یہ نہیں کہ ناتمام سا قال وحال دیکھ لیا اور پھنس گئے

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند (۶)

یعنی جس نے کاملین کی وضع اختیار کی ضرور نہیں کہ کامل بھی ہو۔خوب کہا ہے ؎

---

(۱) ''ادھر شریعت کا متقضی اُدھر عشق کا متقضیٰ شریعت اور عشق دونوں کے مقتضیٰ پر عمل کرنا ہر ہوسناک کا کام نہیں'' (۲) سونا بنانے کا طریقہ جاننے والا (۲) پکڑ دھکڑ (۳) چھپ جاتا ہے (۴) ''یعنی گہرے دریا میں تختہ میں جکڑ کر ڈالدیا ہے پھر کہتے ہو کہ ہوشیار دامن تر نہ ہو'' (۵) دریا کے بیچ میں ہیں (۶) ''جو شخص بھی چہرہ کو برافروختہ کرے لازم نہیں کہ دلبری جانتا ہو جیسے جو شخص بھی آئینہ بناتا ہو لازم نہیں کہ سکندری بھی جانتا ہو''۔

شاہد آں نیست کہ موئے ومیانے دارد　　بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دراد(۱)

نہ مجاہدہ دیکھو نہ ریاضت نہ کشف دیکھو نہ کرامت یہ دیکھو کہ فن کو کتنا سمجھتا ہے، صحبت میں کیا برکت ہے۔ حضرات مجتہدین کو ہم سے حدیثیں زیادہ یاد نہیں تھیں لیکن ان میں ایک شان تھی، مناسبت فن کہ فن کو اتنا جانتے تھے کہ ہم لوگ قیامت تک بھی نہیں جان سکتے۔ بوعلی سینا کو نسخے زیادہ یاد نہیں تھے لیکن فن کو ایسا جانتا تھا کہ بعد کے لوگوں نے بڑی بڑی قرابادین (۲) لکھیں۔ لیکن شیخ سے نہ بڑھ سکے اور اسکی کتاب قانون شاہد ہے اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس کے بعد ایسا شخص نہیں ہوا۔ اور یہ بات خدا کی جانب سے ہوتی ہے اور شیخ میں یہ بھی دیکھ لینا کہ عارف کے ساتھ عاشق بھی ہو۔ نرے عارف کا دامن مت پکڑنا کہ کفایت اس کی قلیل ہے۔ حضرت مرشدی (۳) رحمۃ اللہ علیہ میں دونوں شانیں ایسی بڑھی ہوئی تھیں کہ سبحان اللہ میں نے تو دیکھا برتا ہے۔ یہ جی چاہتا تھا کہ ہر ہر بات پر، ہر ہر ادا پر جان فدا کر دیں۔ حضرت کے عارف ہونے پر بعضے تذکرے یاد آئے۔

حضرت حاجی صاحب کے مبصر ہونے کے بعض تذکرے

حضرت جب یہاں وطن میں تھے تو مولانا گنگوہی اور بھی بعض ذاکرین اپنے اپنے حالات حضرت سے بیان کرتے لیکن مولانا محمد قاسم صاحب کچھ بھی نہ بیان فرماتے۔ حضرت نے ایک دن پوچھا کہ آپ کچھ نہیں کہتے۔ مولانا یہ سنکر رونے لگے اور عرض کیا کہ حضرت حالات وثمرات تو بڑے لوگوں کو ہوتے ہیں مجھ سے تو جتنا کام حضرت نے فرمایا ہے وہ بھی نہیں ہوتا جہاں تسبیح لیکر بیٹھا بس ایک مصیبت ہوتی ہے۔ اس قدر گرانی کہ جیسے سوسومن کے پتھر کسی نے رکھدیئے ہوں زبان قلب سب بستہ ہوجاتے ہیں (۴)۔ حضرت کے کامل یا شفیق ہونے میں شبہ نہیں لیکن

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل　　کہ خضر از آب حیوان تشنہ می آرد سکندر را (۵)

(۱) ''محبوب وہ نہیں کہ جس کے بال عمدہ کمر پتلی ہو بلکہ محبوبیت اس کی ایک آن اور ادا میں ہوتی ہے جو محبوب اور دل کش ہوتی ہے'' (۲) بڑی بڑی مفصل کتابیں (۳) حاجی امداد اللہ صاحب ہیں (۴) بند ہوجاتا ہے (۵) ''بدقسمت لوگوں کو رہبر کامل سے کیا فائدہ ہو۔ خضر علیہ السلام سا رہبر کامل سکندر کو آبِ حیات کے چشمہ سے واپس لاتا ہے کیونکہ سکندر قسمت کے تہی دست تھا''۔

میں ہی بدقسمت ہوں ایسا ہوتا ہے جیسے کسی نے زبان کو جکڑ دیا ہو تو یہ حال سنکر بیساختہ حضرت فرماتے ہیں کہ مبارک ہو یہ نبوت کا آپ کے قلب پر فیضان ہوتا ہے اور یہ وہ ثقل ہے (۱) جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے وقت محسوس ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں مولانا محض نو آموز طالب علم تھے اس وقت یہ گمان بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ یہ اس قدر بڑے عالم ہونے والے ہیں۔ اب تو اس پیشین گوئی کا انطباق (۲) آسان ہے لیکن اس وقت یہ فرما دینا عجیب وغریب بصیرت کا پتہ دیتا ہے حضرت نے فرمایا کہ تم سے حق تعالیٰ کو وہ کام لینا ہے جو نبیوں سے لیا جاتا ہے۔ جاؤ دین کی خدمت کرو ذکر وشغل کا اہتمام چھوڑ دو۔ احمد جام فرماتے ہیں ؎

احمد تو عاشقی بہ مشیخت تراچہ کار ‌ ‌ ‌ ‌ دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد (۳)

سبحان اللہ حالت کو کیسا پہچانا بصیرت کیسی زبردست تھی۔ حضرت کی پہچان غضب کی تھی مکہ مکرمہ میں حضرت کے ایک خلیفہ ہیں ولایتی۔ انہوں نے دو رکعت نماز اس اہتمام سے پڑھیں کہ سوائے حق تعالیٰ کے خیال کے اور کوئی وسوسہ نہ آوے۔ وسوسوں کے روکنے کی غرض سے آنکھیں بھی بند کرلیں بعد کو وہ متوجہ ہوئے حقیقت صلوٰۃ کی طرف، کہ دیکھیں حق تعالیٰ کے یہاں میری اس نماز کی کیا شکل ہوئی چنانچہ ایک نہایت حسین وجمیل عورت کی شکل میں انہیں وہ نماز دکھلائی گئی مگر اندھی۔ حضرت سے عرض کیا کہ میں نے نماز کامل آداب کے ساتھ پڑھی تھی لیکن یہ کیا ہوا کہ اندھی دکھائی گئی۔ فی البدیہ فرمایا معلوم ہوتا ہے تم نے آنکھیں بند کر کے نماز پڑھی تھی۔ عرض کیا کہ جی ہاں وساوس کے روکنے کے لیے بند کر لی تھیں۔ فرمایا کہ یہی سبب ہے کہ اندھی دکھلائی گئی کیونکہ نماز میں آنکھیں بند رکھنا سنت کے خلاف ہے خلاف سنت نماز پڑھنے کا یہ اثر ہوا، سنت کے موافق آنکھیں کھول کر نماز پڑھتے تو گو ہزاروں وسوسے آتے لیکن وہ نماز اس نماز سے ہزار درجہ افضل ہوتی جو خلاف سنت طریقہ پر آنکھیں بند کر کے ادا کی گئی خواہ اس میں ایک بھی وسوسہ نہ آیا ہو۔ اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے پہچان کا بھی اور اتباع سنت کا بھی۔

(۱) بوجھ ہے (۲) اس پیشگوئی کو مولانا گنگوھی پر منطبق کرلینا آسان ہے (۳) ''احمد تو عاشق ہے مشیخت سے تجھ کو کیا کام محبوب کا دیوانہ ہو سلسلہ ہو ہو نہ ہو نہ ہو''

اسی وجہ سے مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی جو ایک مشہور نہایت متقی جامع ظاہر وباطن عالم تھے یوں فرمایا کرتے تھے کہ حاجی صاحب اکابر سلف میں سے ہیں۔ گو پیدا اس زمانہ میں ہوئے ہیں لیکن درجہ اُن کا سا ہے اس طبقہ میں سے ہیں۔ میں نے یہ روایت قاری محمد علی خاں صاحب جلال آبادی سے سنی انہوں نے مولانا سے سنا۔ واللہ رحمت تھی حق تعالیٰ کی کہ اس زمانے میں ایسے ایسے حضرات پیدا فرمائے۔ حضرت کی صحبت کے وقت سے زیادہ مجھ کو مثنوی شریف کی شرح لکھتے وقت حضرت کے علوم ومعارف کی قدر معلوم ہوئی وہاں آنکھیں کھلیں۔ حضرت ہی کے علوم کی بدولت یہ دقیق کتاب سمجھ میں آئی ورنہ ناممکن تھا۔ لکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے۔ کوئی ایک ہی دفتر کی شرح لکھدے کوئی لکھ کر تو دیکھے ؎

ہمیں میدان ہمیں چوگاں ہمیں گوئی (۱)

یہ حضرت ہی کے کلیات کے سہارے ساری شرح لکھی ہے۔ چونکہ وہی کلیات ذہن میں محفوظ تھے، کوئی مشکل مقام ایسا نہیں آیا کہ حل نہ ہوگیا ہو، کسی جگہ ذہن نہیں اٹکا۔ کوئی میرے دل سے پوچھے کتنے باوقعت وہ کلیات تھے۔ اس کشتی کی قدر وہ جانے جس نے اُس سے دریا قطع کیا ہو(۲) کہ وہ جب کشتی لیکر چلا کوئی سمندر ایسا نہیں ملا جس نے اُسے روکا ہو۔ اسی طرح الحمدللہ کوئی طالب علم ایسا نہیں ہوتا کہ جس کا مرض اور دوا سب اس طرح کی تھوڑی سی حالت دیکھتے ہی سمجھ میں نہ آجاتا ہو۔ یہ سب انہیں کلیات کی بدولت ہے ہم نے بخاری مسلم سب کچھ پڑھا تھا لیکن کچھ نہ سمجھے تھے۔ اگر چند کلمے حضرت سے نہ سنتے تو ساری کتابیں کچھ بھی نہ سمجھی ہوتیں۔ جب ہی تو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہم علم کی وجہ سے حضرت کے معتقد ہوئے ہیں۔ حضرت کی شانِ علمی کے متعلق ایک عجیب قصہ یاد آیا کہ ایک جلسہ میں جبکہ حقائق کا بیان فرمارہے تھے۔ دورانِ تقریر میں ایسے ایسے الفاظ بشرط شئے بشرط لاشئے لابشرط شئے(۳) استعمال فرمانے لگے ایک معقولی بھی شریک جلسہ تھے۔ ان کے دل میں خیال

(۱) ''یعنی یہی مثنوی اور یہی لکھنے والے اب بھی موجود ہیں'' (۲) دریا طے کیا ہو (۳) یہ اصطلاحی الفاظ ہیں جو غیر عالم نہیں بیان کرسکتا۔

ہوا کہ درسی علم تو حضرت نے حاصل کیا نہیں۔ پھر یہ اصطلاحیں کیا جانیں۔ معاً حضرت کو اس خطرہ کا کشف ہوا۔ فرمایا کہ معانی کا القاء کبھی بواسطہ الفاظ (۱) بھی ہوتا ہے۔ اس وقت ایسی اصطلاحات بول سکتا ہے۔ وہ معقولی صاحب دم بخود رہ گئے۔ غرض ایسے شخص کی بدولت ایسی غلطیاں رفع ہوتی ہیں کہ شریعت میں الحاد بھی نہ ہو اور جنہوں نے ایسی غلطیاں غلبۂ حال میں کی ہیں ان پر فتوئ کفر وارتداد بھی نہ ہو۔ چنانچہ اوپر حدیث سے ایسے لوگوں کا عذر بیان کیا گیا ہے۔ اور وہ حدیثیں قواعد کلیہ تھیں۔

خوف خدا کی برکت

اب ان کی تائید ایک حدیث جزئی سے عرض کرتا ہوں اور کوئی جامع علی الظاہر (یعنی ظاہر پر اڑا ہوا یعنی ظاہر پرست) اس کو صوفیہ کی طرفداری نہ سمجھیں میں کسی صوفی کے قول سے استدلال نہیں کرتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نقل کرتا ہوں کہ ایک گنہگار شخص تھا، اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ میں مرجاؤں تو میری نعش کو جلا کر خاک کرکے ہوا میں اڑادینا پھر یا تو بچ جاؤں اور اگر کہیں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ آ گیا تو پھر وہ ایسی سزادیں گے کہ کسی کو بھی نہ دی ہوگی۔ اس کے بیٹوں نے ایسا ہی کیا اور اس کے مرنے کے بعد اس کی نعش کو جلا پھونک آندھی کے دن اڑادیا کچھ دریا میں کچھ خشکی میں وہ سمجھتا تھا کہ اللہ میاں کہاں جمع کرسکیں گے جیسا کہ اس کا قول لئن قدر اللّٰہ علی (یعنی اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر قدرت پالے) اس پر دال ہے لیکن وہاں کیا تھا کُن فرمایا اور فوراً سب اکٹھا ہوگیا۔ دریافت فرمایا کہ کیوں تم نے ایسا کیا من خشیتك یا اللّٰہ۔ تیرے خوف سے، فرمایا جاؤ بخشدیا۔ اس مقام پر علماء کو دقتیں ہوئی ہیں کہ حق تعالیٰ کی قدرت میں اس نے شک کیا لہٰذا کافر ہوا۔ پھر مغفرت کیسی۔ بات یہ ہے کہ عقل کم تھی خدا کی قدرت کو بڑا تو جانتا تھا لیکن کتنی بڑی اسکا اندازہ نہیں کرسکا۔

تکلیف بقدر عقل

ہر شخص کا اندازہ اس کی عقل کے موافق ہوتا ہے۔ پس ایسے شک سے وہ کافر

(۱) مطلب یہ ہے کبھی اللہ تعالیٰ قلب پر صرف معانی وارد کرتے ہیں کبھی الفاظ ومعانی دونوں وارد ہوتے ہیں۔

نہیں ہوا۔ اسی کی فرع ایک اور قصہ ہے کہ ایک شخص نے وعظ میں سنا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہیں نہ پاؤں ہیں وہ تھا محض ایک گنوار دیہاتی آدمی اُسے نہایت غصہ آیا اور کہا کہ کیا وہ بطیخ شامی ہے۔ اور بولا ہمارے خدا کے ہاتھ بھی ہیں پاؤں بھی ہیں تیرا خدا ہوگا جس کے ہاتھ نہ پاؤں۔ جیسے شام کا خربوزہ۔ اب کیا ایسے شخص کو کافر کہہ سکتے ہیں وہ ہرگز کافر نہ تھا۔ اس میں عقل ہی نہ تھی بلکہ اس سے یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ پیر مت سمجھ اس کو کفر میں ڈالنا تھا۔

عامی کے ایمان کا امتحان

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے آکر عرض کیا کہ میں نے ایک لونڈی کے تھپڑ مار دیا ہے اس کو ایک کفارہ میں آزا کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے آزاد کرنے کے لیے ایمان کی شرط ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس لونڈی کو طلب فرمایا۔ اس سے دریافت فرمایا این اللّٰہ یعنی اللہ تعالیٰ کہاں ہیں اس نے کہا فی السمآء آسمان میں، پھر دریافت فرمایا کہ میں کون ہوں عرض کیا انت رسول اللّٰہ آپ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابی سے فرمایا کہ یہ مومن ہے اس کو آزاد کردو۔ باوجود اس کے کہ وہ لونڈی یہ سمجھتی تھی کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہیں۔ لیکن پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُسے مومن فرمایا۔ حالانکہ بھلا اللہ تعالیٰ آسمان میں کیا سما تا۔ عام آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔ مظروف سے ظرف بڑا ہونا چاہیئے۔ سو خدا تعالیٰ کی عظمت کے سامنے عرش تک تو کوئی چیز ہی نہیں تو آسمان تو کیا ہوتا ادھر دلائل قطعیہ قائم ہیں کہ حق تعالیٰ پاک ہیں کسی مکان کے اندر آنے سے لیکن اس جاریہ (لونڈی) کی عقل اتنی ہی تھی چنانچہ اگر بچوں سے پوچھو کہ خدا کہاں ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اوپر ہے حالانکہ حدیث میں ہے لو انکم دلیتم بحبل الی الارض السفلی لھبط علی اللّٰہ یعنی اگر رسی ساتوں زمین پار ہوکر اُترے گی وہاں بھی اللہ میاں ہیں وہ نہ زمین کے ساتھ مقید ہیں نہ آسمان کے ساتھ مگر فطری امر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوپر ہی ہونے کا گمان ہوتا ہے کیونکہ اس کی ذات عالی ہے۔ عوام کی سلامتی اسی میں ہے کہ اوپر سمجھیں عرش پر سمجھیں یا آسمان پر کچھ حرج نہیں۔ خواص کے لیے ہے اس کو مکان سے پاک سمجھنا چنانچہ میں نے ایک بار یہیں تھانہ بھون

میں حق تعالیٰ کوخواب میں دیکھا کہ ایک رفیع الشان مکان کے فوق کی طرف جلوہ فرما ہیں
لیکن بلاکسی لون اور رنگ یا مقدار یا کیفیت کے چونکہ میرے اعتقاد میں تنزیہ ہے (۱)
اور بہت سوں نے جن پر کہ تشبیہ کا مذاق غالب تھا آدمی کی شکل میں دیکھا اور اس فرق
کے اور بھی اسباب ہیں۔سو اسی طرح یقظہ (بیداری) میں جتنی جیسی عقل ہوگی اتنا ہی سمجھے
گا۔ چنانچہ وہی شخص حق تعالیٰ کی قدرت کا قائل سب کچھ تھا۔لیکن کچھ عقل کی کمی کچھ
خشیت کا غلبہ اس نے اس کو بدحواس کردیا۔اسی طرح مغلوب الحال (۲) کی عقل ٹھکانے
نہیں رہتی۔غلبۂ حال سے عقل کم ہوجاتی ہے۔ایسے لوگ معذور ہیں۔

معاملہ معذورین

ایسے لوگوں کے ساتھ نہ گستاخی چاہیئے۔ نہ ان کا اتباع چاہیے۔معذور سمجھ کر
معافی کی امید رکھنا چاہیئے۔اور اگر ان حضرات کی طرف اُن اقوال وافعال کی نسبت ہی
ثابت نہ ہوتو ایک جواب سب سے سہل یہ ہے کہ یہ ثابت ہی نہیں۔الحمدللہ ان معذورین
کے ساتھ جو معاملہ رکھنا چاہیئے۔ اس وقت سمجھ میں آگیا ہوگا۔ یہ تو تاویل تھی معذورین
اہل اغلاط (۳) کی باقی جو شرعاً معذور نہیں اور وہ محض نقل اور تقلید سے ایسے اغلاط کو اختیار
کرتے ہیں۔ وہ یقیناً دائرہ ایمان سے خارج ہیں۔ بہرحال یہ تھا بیان اُن اغلاط اہلِ
ظاہر واہل باطن کا جو آیتیں میں نے پڑھی ہیں۔ان میں ان اغلاط واختلافات کا فیصلہ
ہے جس کو میں بضمن اپنی تقریر کے بیان بھی کرچکا ہوں۔

خلاصہ فیصلہ اختلافات اہل ظاہر واہل باطن اور مسئلہ مذکورہ معرکۃ الآراوخاتمہ بحث بالا

جس کا حاصل جمع کرنا ہے۔ظاہر وباطن کے درمیان میں اب اسی کو ان آیات
پر منطبق کئے دیتا ہوں اور میرا ارادہ اس انطباق کی بھی زیادہ تفصیل کا تھا۔لیکن وقت
زیادہ ہوگیا ہے لہٰذا میں ترجمہ آیت کا کرکے ختم کیے دیتا ہوں اور اسی کے ضمن میں
انطباق سے بھی مختصراً تعرض ہوجاویگا۔ پس حق تعالیٰ فرماتے ہیں: لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ

(۱) کیونکہ اللہ ان صفات سے منزہ ہیں (۲) جس پر حال کا غلبہ ہو (۳) ایسے معذور لوگوں کی جو غلطی میں مبتلا ہیں۔

لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (۱) صوفیوں کی یہاں بھی رعایت فرمائی کہ پہلے لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ میں اہل ظاہر کی غلطی بیان فرمائی اور غلطی بھی ایسی بلاغت سے بیان کی کہ کوئی بیان نہیں کرسکتا پھر دوسرے جملہ میں وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى قربانی کی حکمت واللہ کیا بیان کی اور اس تقویٰ کا مصداق اس سے اوپر ارشاد فرمایا ہے: وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (۲) یعنی یہ تقویٰ تعظیم ہے شعائر اللہ واحکام الٰہیہ کی اس حکمت تعظیم شعائر اللہ کی جامعیت پر نظر کرکے مجھے تو وہ شعر شریعت کی شان میں یاد آجاتا ہے۔

بہار عالم حسنش دل وجاں تازہ میدارد   بہ رنگ اصحاب صورت رابو ارباب معنیٰ را (۳)

یعنی عالمین میں دو طرح کے لوگ ہیں ایک تو وہ جو قربانی کی حکمت سمجھ گئے ہیں دوسرے وہ جو حکمت نہیں سمجھے جو حکمت سمجھ گئے ہیں اور ظاہر ہے کہ حکمت معلوم ہوجانے سے وقعت بڑھتی ہے حکم کی وہ تو یوں حکم کی تعظیم کریں گے اور جو حکمت نہیں سمجھے انہوں نے اتنی تعظیم کی کہ حکمت بھی نہ سمجھے اور پھر بھی کرڈالا وہاں تو کسی درجہ میں رائے کا بھی دخل تھا یہاں کچھ بھی نہیں اگر کسی نے کہا کیوں کرتے ہو کیا حکم خدا کا پس آیت وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (جوشخص اللہ تعالیٰ کے شعائر اور اس کے احکام کی تعظیم کرے تو ان کی یہ تعظیم کرنا دلوں کے تقویٰ سے ہے) میں روح بتلادی قربانی کی آگے اس آیت لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ میں فرماتے ہیں کہ اس روح یعنی تقویٰ خاص کی کہ تعظیم شعائر ہے بہت حفاظت کرو اور سمجھو کہ ذبح بالذات مقصود نہیں دیکھو وہاں نہ خون پہنچتا ہے نہ گوشت جو چیز مقصود ہے وہ البتہ پہنچتی ہے یعنی تقویٰ چنانچہ اگر یہ لحم ودم (گوشت وخون) مقصود ہوتا تو سارا جانور اٹھ کر چلا جایا کرتا۔ پس صرف ذبح کو مقصود مت سمجھو خدا کے یہاں تقویٰ پہنچتا ہے اس کو دیکھو کہ اس ذبح کے ساتھ تقویٰ بھی مقترن (شامل) ہے جو کہ تعظیم شعائر اللہ سے پیدا ہوتا ہے کہ ایک مدلول "من" کا یہ بھی ہوسکتا ہے اس طرح سے کہ تعظیم شعائر منجملہ تقویٰ ہے جب تعظیم بجالائے تقویٰ متحقق ہوگیا یا تقویٰ سے تعظیم

(۱) "یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ اُن کا خون ولیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے" سورۃ الحج: ۳۷ (۲) "جوشخص تعظیم کرے شعائر اللہ واحکام الٰہیہ کی تو ان کی یہ تعظیم کرنا دلوں کے تقویٰ سے ہے" (۳) "اس عالم حسن کی بہار ظاہر پرستوں کے دل وجان کو رنگ سے اور حقیقت پرستوں کے دل وجان کو بو سے تازہ رکھتی ہے"

شعائر اللہ پیدا ہوتی ہے ایک مدلول ''من'' کا یہ بھی ہوسکتا ہے اس طرح کہ تعظیم ناشی پیدا ہوتی ہے تقویٰ سے غرض جو چاہو کہو بقول حافظ ؎

بخت اگر مدد کند دامنش آدم بکف گر بکشد زہے طرف ور بکشم زہے شرف(۱)

سوتقویٰ ہر حال میں مقصود بالذبح ہوا(۲)۔اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سینہ کی طرف اشارہ کر کے کہ یہاں ہے تقویٰ اور ما فی الصدر (اندرون سینہ) باطن ہے پس معلوم ہوا کہ اس ظاہر کا ایک باطن بھی ہے اس کو حاصل کرو شاید اس کو سن کر اہل باطن پھولتے کہ دیکھو ہم نہ کہتے تھے کہ باطن ہی ہے جو کچھ ہے لہٰذا آگے ان کی غلطی بیان کرنے کے لیے ایک ظاہر کو فرماتے ہیں: کَذٰلِکَ سَخَّرَھَا لَکُمْ لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ (۳) یعنی نری تقویٰ کو کوئی نہیں پوچھے گا۔تقویٰ مطلق مقبول نہ ہوگا۔تقویٰ وہ قبول ہوگا جس کو قربانی سے تعلق ہو۔ یہاں نحر کا مفعول بھی ہو جس سے تکبیر کا فعل بھی متعلق ہو پس اس میں اچھی طرح سے ثابت کر دیا گیا کہ روح سے مراد وہی روح ہے جو اس قلب کے ساتھ ہو(۴) اسی کو فرماتے ہیں کہ جانوروں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا تا کہ تم نعمت ہدایت و توفیق للذبح پر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اس میں اللہ اکبر کہنے کی بھی حکمت بتلادی کہ یہ دراصل شکر ہے اللہ کا کہ اللہ بہت بڑا ہے کہ اس نے توفیق دی کہ ہم حکم بجالاسکیں۔

ذبح کے خلاف ترحم وخلاف عشق ہونے کا جواب

واقعی اگر خدا کی توفیق ہوتی تو ترحم طبعی ہاتھ کو گردن پر نہیں چلنے دیتا۔ جو ملحدین کے شبہ کی بنا تھی یعنی ذبح کا خلاف ترحم ہونے کے سبب مخالف حکم الٰہی ہونا اسی سے ہم جواب دیتے ہیں کہ یہی خلاف ترحم ہونا بہت بڑی علامت ہے اس ذبح کے حکم الٰہی ہونے کی بعضے معترض اس مخالفت ترحم کو مخالف عقل قرار دیکر کہتے ہیں کہ ذبح کرنا عقل کے خلاف ہے ہم کہتے ہیں کہ اگر ذبح کرنا عقل کے خلاف ہے تو جانوروں کو کاٹنا پیٹنا بھی عقل کے خلاف ہے بلکہ یہ تو ساری عمر سسکا سسکا کر مارنا ہے ذبح میں تو ایک ساتھ کام تمام کر دیا

(۱) ''خوش قسمتی ہے اس کا دامن ہاتھ آجائے وہ کھینچ لے تب بھی مقصود حاصل ہم کھینچ لیں تب بھی'' (۲) ذبح سے مقصود تقویٰ ہے (۳) ''اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارا مسخر کر دیا ہے تا کہ قربانی کر کے اس بات پر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو کہ تم کو اس طرح قربانی کرنے کی توفیق دی'' (۴) جو اس جسم کے ساتھ ہو۔

جاتا ہے دم کے دم میں جان نکل جاتی ہے اس میں ذرا سی دیر کی تکلیف ہے جو ہوئی اور گزر گئی اور سچ تو یہ ہے کہ نہ یہ عقل کیخلاف ہے نہ وہ ،ہم تحقیق کے تابع ہیں ہم ان کی طرف سے بھی کہتے ہیں کہ آزمانا عقل کے خلاف نہیں اور اپنی طرف سے بھی کہتے ہیں کہ ذبح عقل کے خلاف نہیں۔اور حقیقت یہ ہے کہ خلاف عقل وہ ہوتا ہے جس میں کوئی محال لازم آوے خلاف عقل ہے خدا کا دو ہونا اجتماع ضدّین کا واقع ہونا دور و تسلسل کا صادق آنا تو ذبح کرنے میں یا مارنے کوٹنے میں کونسی بات عقل کے خلاف استحالہ (محال ہونے) کی لازم آئی جو بات خلاف عقل ہوتی ہے وہ تو واقع ہی نہیں ہوتی معترض ایسے بے عقل ہیں کہ غیر ممتنع الوقوع (جنکا واقع ہونا محال ہے) کو عقل کے خلاف کہتے ہیں ذبح تو واقع ہوتا ہے وہ عقل کے خلاف کیسے ہوا بلکہ ان کا یہ کہنا خود ان کی اصطلاح کے مطابق خلاف عقل ہے بات یہ ہے کہ یہ لوگ علوم عقلیہ پڑھتے نہیں جو چیز ترحم طبعی کے خلاف ہے اسے عقل کے خلاف کہتے ہیں ترحم طبعی کے خلاف کہو تو البتہ ہم مانتے ہیں واقعی ذبح ترحم کے خلاف ہے۔

باوجود ترحم طبعی کے حکم الٰہی بجالانا عین عبدیت ہے

لیکن اے صاحب یہی تو بڑی عبدیت ہے کہ گو ترحم کے خلاف ہے لیکن خلاف طبع و خلاف نفس مالک کے امتثال (۱) امر کے لیے دل پر پتھر رکھ کر کرتے ہیں۔ جلّاد کا بیٹا کسی جرم میں پکڑا آیا ذرا غور کر کے دیکھئے کہ بادشاہ نے حکم دیا کہ ایک درجن بید لگاؤ۔اس وقت باپ سے پوچھئے کہ دل کی تو کیا حالت ہوگی مگر اس کے ساتھ ہی یہ سوال ہے کہ خیر خواہی سرکاری اور جان نثاری کس میں ہے۔آیا جان نثاری یہ ہے کہ کہدے مجھ سے نہیں ہوسکتا یہ آپکی نوکری رکھی ہے یا یہ ہے کہ بادل نخواستہ سرسر بید لگارہا ہے (۲) دل اندر سے لوٹ پوٹ ہورہا ہے لیکن حکم کی تعمیل کئے جارہا ہے ایمان سے بتاؤ یہ ہے جان نثاری اور خیر خواہی یا وہ اگر حاکم کو یہ معلوم ہوجاوے کہ یہ اس کا بیٹا تھا اور باوجود اس سے بیحد محبت ہونے کے اور ضرب میں بیحد بے چینی کے پھر بھی اس نے میرا حکم بلاچون وچرا مانا تو اس کی نظر میں اس شخص کی کتنی قدر ہوگی آجکل جنگ میں جان دینے بہت جارہے ہیں ان کی مدح کی جاتی ہے کہ بڑے خیر خواہ سرکار ہیں جان

(۱) اللہ کے حکم کی بجا آوری میں (۲) جلدی جلدی بید مار رہا ہے۔

نثار ہیں یہ کیوں حالانکہ بقول آپ کے جان دینا عقل کے خلاف ہے۔ یہ خوب ہے کہ کہیں تو عقل کے خلاف ہے اور کہیں نہیں یہ عجیب بے جوڑ بات ہے۔

مسلمانوں کو بے رحم کہنے کا جواب

معترض کہتے ہیں کہ مسلمان بڑے قصائی ہیں اس کے مختلف جواب دیے جاتے ہیں لیکن جواب اصلی یہ ہے کہ معترض کیا جانیں ہم پر کیا گزرتی ہے جب چھری پھیرتے ہیں ہم سے حلف لے لو جس وقت گائیکٹتی ہے ہمارا دل نکلا جاتا ہے لیکن دل پر پتھر رکھ کر یہ حکم معلوم کر کے قربانی کرو، کرتے ہیں، ترحم تو ہے مگر ترحم پر عمل نہیں حکم کی تعمیل کرتے ہیں یہ ہے عبدیت پوری، اسی کی توفیق ہے کہ اتنے بڑے عمل پر قادر ہوگئے۔ اسی کو فرماتے ہیں: لِتُکَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَاهَدٰکُمۡ (تاکہ اللہ تعالیٰ کی اس بات پر بڑائی بیان کرو کہ اس نے قربانی کرنے کی توفیق دی) اس سوال و جواب پر۔

ایک حکایت جس میں فرار من الطاعون کے مذموم ہونے کی دلیل ہے

حکایت یاد آئی مجھ سے ایک صاحب نے پوچھا کہ طاعون سے بھاگنا کیوں ناجائز ہے حالانکہ وہاں رہنا عقل کے خلاف ہے۔ میں نے کہا کہ لڑائی سے بھاگنا کیوں جرم ہے حالانکہ وہاں طاعون سے بھی زیادہ ہلاکت کا خوف ہے یہاں تو موت میں رہنا خلاف عقل اور وہاں عقل کے خلاف نہیں وہ سمجھ گئے میں نے کہا کہ بادشاہ تو تیس روپے تنخواہ دیکر جان کا مالک ہوجاوے اور حق تعالیٰ جان کو پیدا کر کے بھی جان کا مالک نہ ہو اور اس میں تصرف اور اپنے قانون کی تنفیذ نہ کر سکے وہ صاحب یہ جواب سن کر کھل گئے یہ شاندار مولویوں کے جواب نہیں ہیں خاکسار غریبوں کے جواب ہیں۔ سچی بات سیدھی سادی قناعت دینے والی ہوتی ہے۔ پس حکمتوں کی تفتیش کے درپے مت ہو صرف یہ دیکھو کہ آیا یہ خدا کا حکم ہے یا نہیں پس یہ معلوم کرلیا اور اطمینان ہوگیا۔ چنانچہ جس طرح جلاّد کو حکم ہے کہ بید مارو ہمیں یہ حکم ہے کہ قربانی کرو۔ اسی طرح تمام احکام میں بعد اس امر(۱) کے ثابت ہوجانے کے کہ خدا کا حکم ہے پھر حکمتیں مت پوچھو اور نہ بتلاؤ کہ انجام اس کا خطرناک ہے کیونکہ سور کے حرام ہونے کی اگر یہ حکمت بیان کی کہ وہ بے حیا ہوتا ہے اور اسکے بعد ایک شخص نے اس کا حیادار ہونا ثابت

(۱) حکم۔

کردیا جیسا کہ ایک شخص نے اس کا دعویٰ کیا ہے پس اگر کسی فلسفی مسلمان کا عقیدہ یہی ہو کہ سور اس لیے حرام ہوتا ہے کہ بے حیا ہوتا ہے تو جب اس کے نزدیک وہ حیادار ثابت ہوجاوے گا اسی روز پھر وہی شبہ موجود، یہ بڑا خطرناک طرز ہے خدا کے لیے اس طرز کو چھوڑو اور غیر منصوص حکمتیں (۱)جتنی بیان کی جاتی ہیں وہ اکثر اٹکل پچو ہوتی ہیں اگر ہم نے شریعت کو انہیں پر مبنی سمجھ لیا تو اگر کبھی پچاس برس کے بعد ایسے عقلاء پیدا ہوئے جنہوں نے انکی نفی کردی تو جب بناء منہدم ہوگی مبنی بھی منہدم ہوجاویگا(۲)۔ہم ایسی حکمتیں نکال کر شریعت کی بنیاد ریت پر کھڑی کررہے ہیں جہاں ایک سیلاب آیا سب رخصت۔بس یوں کہو سور حرام ہے اس لیے کہ خدا کا حکم ہے۔قیامت آجائے تو اس کو توڑ ہی نہیں سکتا۔

جس طرح کوئی سرکاری آدمی سے پوچھے کہ موروثی کا کیا حکم ہوا یا پوچھے کہ تولہ بھر تک ٹکٹ لگالینے سے بیرنگ نہیں ہوتا وہ تولہ کا بیرنگ ہوجاتا ہے اس پر یہی کہیگا کہ واضعان قانون جانیں ضابطہ یونہی ہے۔اے مسلمانو سیدھا یہی جواب ہے کہ ہم واضع قانون نہیں ہم سے کیوں پوچھتے ہیں یہ خدا سے پوچھئے۔

اصول کا عقلی ہونا ضروری ہے پھر اس کے ثبوت کے بعد فروع کی عقلیت کا انتظار نافرمانی ہے

البتہ اصول اسلام کے ضرور عقلی ہیں باقی فروع کا عقلی ہونا ضروری نہیں۔اس کی مثال ایسی ہے کہ جارج بادشاہ کا بادشاہ ہونا عقلی طور پر ثابت کیا جاوے گا۔باغی کو مباحثہ (۳) سے سمجھایا جاوے گا۔پھر جب اس کو صاحب سلطنت مان لیا پھر ہر ہر حکم میں حکمتیں تلاش کرنا بغاوت کا شعبہ ہے اگر کسی کو چوری میں سزادی گئی اور اس نے کہنا شروع کیا کہ فوجداری کی دفعہ سرقہ میری سمجھ میں نہیں آئی آیا دو پیسہ کا سرقہ بھی کوئی جرم ہے تو کیا جج اس کو لِم (۴)سمجھا کر سزادے گا یا یوں کہدیگا کہ بادشاہِ وقت کا یہی قانون ہے اگر اصرار کریگا تو ڈانٹ دیگا کہ بکومت اور الٹی توہین عدالت کی بھی سزا بڑھادیگا اور کہدیگا کہ ہم جڑ کی بات سمجھا چکے کہ بادشاہِ وقت کا یہی قانون ہے۔اسی طرح توحید

(۱) ایسی حکمتیں جو قرآن وحدیث میں مذکور نہ ہوں (۲) جس پر بنیاد رکھی تھی جب وہ گر جائے تو مبنی بھی گر جائے گا(۳) بذریعہ بحث (۴) وجہ سمجھا کر۔

ورسالت عقلی طور پر سمجھ لو پھر قال اللہ وقال الرسول بس ہے۔نصرانی، آریہ، یہودی جو کوئی پوچھے یہی جواب ہے کہ خدا کا حکم ہے قرآن میں ہے قرآن کا اللہ تعالیٰ کا کلام ہونا دلیل عقلی سے ثابت کردیں گے۔ بس سنار کی کھٹ کھٹ اور لوہار کی ایک میں ساری شریعت کی حفاظت کا سامان بتلا رہا ہوں۔ ورنہ اگر حکمتیں بتلانے پر آئے تو آخر کہیں تو عاجز ہوں گے مثلاً پوچھا گیا نماز کیوں فرض ہوئی کہا عبدیت کا اظہار ہے، پانچ وقت کیوں مقرر ہوئے تاکہ پابندی میں سہولت ہو یہاں تک چلتا رہا۔ رکعتیں کیوں مختلف تعداد میں مقرر کی گئیں ظہر میں چار، فجر میں دو، مغرب اور وتر میں تین بس یہاں آکر تھک گئے جو یہاں آکر کہو گے وہ پہلے ہی کیوں نہ کہدو جس راہ پر دو کوس چل کر بالآخر آتا ہے اسے ابھی سے کیوں نہ اختیار کرو خوامخواہ اتنا تعب (۱) بھی کیوں سر لیا جیسا اس وقت۔

ہر حکم کا مطالبہ دلیل قرآنی سے باطل ہے

ایک اور مرض عالم گیر ہورہا ہے کہ باوجودیکہ حجج شرعیہ (حجتیں ودلیلیں) چار ہیں مگر پھر بھی ہر حکم کا ثبوت قرآن مجید سے مانگا جاتا ہے اور ہمارے ذہین اہلِ علم اس قدر سخی ہیں کہ ثبوت دینے کو تیار ہوجاتے ہیں میں وہاں بھی یہی کہا کرتا ہوں کہ کہیں تو عاجز ہوکر کہنا ہی پڑیگا کہ ہر حکم کا ثبوت قرآن سے ضروری نہیں۔ پھر یہ جواب اول ہی سے کیوں نہ دیدو۔ میرے ایک صاحبِ علم دوست سے کسی نے ڈاڑھی کا ثبوت قرآن شریف سے مانگا انہوں نے یہ آیت پڑھی انہوں نے یہ آیت پڑھی لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ (میرا سر اور میری داڑھی مت پکڑو) کہ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کی داڑھی پکڑلی تھی معلوم ہوا کہ ہارون علیہ السلام کے ڈاڑھی تھی لیجئے ڈاڑھی کا ہونا قرآن سے ثابت ہوگیا۔ مجھ سے انہوں نے جواب نقل کیا میں نے کہا کہ مولانا وہ تو وجوب ڈاڑھی کا پوچھتا تھا اور ثابت ہوا وجود اگر وہ یہ سوال کرتا تو کیا ہوتا۔ مولوی صاحب نے کہا! جی اتنی عقل اس میں کہاں تھی کہ وہ یہ سوال کرتا۔ مگر صاحب ہمیں تو شرم آتی ہے ایسی ویسی بات کہتے ہوئے جو بات ہو محقق وباوقعت ہونا چاہیئے۔ خیر اس سے تو وجوب ثابت ہی نہیں ہوا۔ لیکن اگر کسی آیت سے وجوب بھی ثابت ہوجاتا تب بھی اول وہلہ میں سائل کے جواب

(۱) پریشانی۔

میں یہی کہنا چاہیئے تھا کہ ہر حکم کا ثبوت قرآن سے ضروری نہیں۔ ورنہ اگر وہ اور کوئی سوال کرتا تو کہیں نہ کہیں تو یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہر حکم کا ثبوت قرآن سے ضروری نہیں۔ مگر آجکل اس محقق جواب کو بے وقعت سمجھا جاتا ہے اور تلبیس کے جواب کی وقعت ہوتی ہے۔

تحقیقی اور تلبیسی تقریر کے اثر میں فرق پھر کچھ اور سوال کرنا

لیکن اس کی بے وقعتی اور اس کی وقعت چند روزہ ہوتی ہے۔ پھر معاملہ منعکس ہوجاتا ہے(۱)۔

مجھ سے ایک انسپکٹر ڈاک خانہ کہتے تھے کہ میں ایک لیکچرار کو جو اخباری دنیا میں مشہور شخص ہیں۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ دنیا میں ایسا محقق نہیں بعد کو علماء کی جو تقریریں سنیں تو غور سے یہ فرق معلوم ہوا کہ علماء کی تقریریں فوری اثر تو زیادہ گہرا نہیں کرتیں مگر جتنا زمانہ گزرتا گیا دل میں یہ گھستی گئیں۔ اور اس شخص کی تقریریں جتنا زمانہ گزرتا گیا ڈھلتی گئیں۔ بس یہ معلوم ہونے لگا کہ محض روغن قاز ملتا تھا۔ علماء جڑ کی اور گُر کی کہتے ہیں۔ غرض اصل جواب سوال حکمت کا یہ ہے کہ خدا کا حکم ہے اور اس کے بعد اگر تبرعاً کچھ حکمتیں بیان کردی جائیں وہ اور بات ہے میرا ابھی ارادہ تھا کہ اس آیت میں مفصل حکمتیں قربانی کی بیان کروں گو اجمال کا درجہ تو بفضلہٖ حاصل ہوگیا لیکن تفصیل کا درجہ نہیں ہوسکا مگر چونکہ وعظ روح العج والثج میں بیان بھی ہوچکا ہے اور اس وقت وقت بھی نہیں اس لیے اجمال ہی پر کفایت کرتا ہوں نیز اسوقت زیادہ مقصود بیان کرنا اس کا تھا کہ مسلک محقق جمع بین الظاہر والباطن (ظاہر و باطن دونوں کو جمع کرنا) ہے سو اسی کو یہاں سمجھ لیجئے کہ اس عمل کا باطن تقویٰ اور تعظیم شعائر اللہ ہے اور ظاہر یہ ہے کہ ذبح کرو۔ یہ نہیں کہ دام ادا کرو۔

بجائے قربانی کے دام دینے میں بعض اہل حال کی غلطی

ایک بزرگ اہل حال اس غلطی میں مبتلا تھے کہ ہمیشہ دام دیدیا(۲) کرتے قربانی نہ کرتے ایک روز خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے۔ سب کے پاس سواری ہیں ان کے پاس نہیں انہوں نے سواری طلب کی جواب ملا کہ یہاں کہاں سواری جو قربانی کرتے ہیں ان کو یہاں سواری ملتی ہے تم قربانی نہیں کرتے جاؤ گھسٹتے ہوئے۔

(۱) پھر معاملہ الٹا ہوجاتا ہے (۲) قربانی کے بجائے پیسے صدقہ کردیتے۔

بیدار ہوئے تو بہت پریشان ہوئے فوراً توبہ کی اور قربانی کرنا شروع کر دیا۔

بعض کا مسخر قربانی کی سواری بننے میں ایک اور حکایت اس کی نظیر میں

اس پر بعضے نوعمر ہنستے ہیں کہ بہت سے جانور ہوں گے کون سے جانور پر سواری ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سب پر قادر ہیں۔ ایک تو یہ صورت ہے کہ سب کے عوض میں ایک بہت بڑا جانور دیدیں ورنہ سب کی ڈاک لگادیں اگر کسی کے اصطبل میں بہت سے گھوڑے بندھے ہوں تو کیا اس پر بھی کبھی تعجب کیا ہے کہ اتنے گھوڑوں میں کس پر سواری کرتا ہوگا۔ وہاں تو یہ سمجھ لیتے ہو کہ مثلاً یہ ڈاک لگانے کے کام میں آتے ہیں طویل سفر ہو تو ایک گھوڑا کام نہیں دے سکتا۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ایک ایک گھوڑا بھیجد یا جاتا ہے اور نہایت سہولت سے اتنا بڑا سفر بہت جلد قطع ہوجاتا ہے۔ آخرت کی سب باتوں پر تعجب اور دنیا کی کسی بات پر تعجب نہیں، دنیا کی سب باتوں کو عقل کے قریب کر لیتے ہیں مولانا احمد حسن صاحب امروہی خود مجھ سے بیان فرماتے تھے کہ میں ریل میں سوار تھا۔ دوسرے درجہ میں ایک مولوی صاحب پرانی وضع کے اور ایک نئی وضع کے میانہ عمر شخص سوار تھے، ایک اسٹیشن پر گاڑی پہنچی تو چند انگریزی خواں لڑکے آکر اسی دوسرے درجہ میں بیٹھے اور ان مولوی صاحب کا اسباب منتشر کر کے خود اپنا اسباب جما کر بیٹھ گئے وہ مولوی صاحب آئے تو ملامت کی یہ شرمندہ ہوئے۔ چاہا کہ مولوی صاحب کو شرمندہ کریں کہنے لگے یوں صاحب نماز پنجگانہ فرض ہے۔ انہوں نے کہا ہاں! کہا یہ سب جگہ پانچ ہی وقت فرض ہے انہوں نے کہا ہاں کہنے لگے جہاں چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات ہوتی ہے وہاں بھی پانچ ہی وقت فرض ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کیا تم وہاں سے آرہے ہو یا وہاں جارہے ہو کہنے لگے نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا تو بس ہم ایسے فضول سوال کا جواب نہیں دیتے اس پر وہ سب قہقہہ مار کر ہنسے اور اس ہنسنے میں وہ میانہ عمر شخص بھی شریک تھے۔ مولانا فرماتے تھے کہ مجھ کو ان کا ہنسنا بہت ناگوار ہوا آئندہ اسٹیشن پر وہ لڑکے تو اتر گئے میں وہاں جا کر بیٹھا اور ان صاحب سے میں نے پوچھا کیوں جناب آپ کا دولت خانہ کہاں ہے، آپ ملازم کہاں ہیں۔ سب کا جواب ملا پھر میں نے پوچھا آپ کو شب وروز میں کتنے گھنٹہ کام کرنا پڑتا ہے اسکا بھی جواب دیدیا۔ میں نے کہا کیوں جناب اگر گورنمنٹ کی سلطنت

اس مقام پر ہوجاوے جہاں چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات ہوتی ہے اور آپ کی وہاں کی بدلی ہوجاوے تو کیا وہاں بھی ایک شب وروز میں اتنے ہی گھنٹے کام کرنا ہوگا کہنے لگے کہ نہیں بلکہ اندازہ وقت کا کر کے اس شب وروز کو سال بھر قرار دیکر سال بھر ک کام لیا جاوے گا۔ میں نے کہا افسوس سلطان دنیا کے احکام وتجویز کی تو آپ کے ذہن میں یہ وقعت کہ اس پر اشکال واقع ہوتو فوراً اس کی توجیہ کرلی اور سلطان دارین کے احکام کی اتنی بے وقعتی کہ اس پر جو ایسا ہی اشکال واقع ہوا تو بجائے توجیہ کے اس کی تحقیر کی اور اس پر تمسخر اڑایا۔ وہ شخص بے حد شرمندہ ہوا اور معذرت اور توبہ کی۔ بس اس طرح یہاں بھی ایسی ہی توجیہ کرسکتے ہو۔ بس یہ سوال ہی واہیات ہے کہ بہت سے جانور ہوں گے کونسے جانور پر سواری ہوگی۔ یہاں بھی اس کی نظیر موجود ہے۔ اور اصل بات تو یہ ہے کہ اس توجیہ پر کچھ موقوف نہیں ہم یوں کیوں نہ کہدیں کہ تعدد کے وقت ہم کو معلوم نہیں کس طرح ہوگا کیونکہ بتلایا ہم کو گیا نہیں اور رائے کا کام نہیں خواہ یہ صورت ہوجاوے یا کچھ اور ہوجاوے۔

ایک مجذوب کا قول مجھے بہت پسند آیا۔ اس سے کسی واقعہ کی نسبت پوچھا کب ہوگا اس نے کہا ہم اللہ میاں کے بھتیجے نہیں کہ چچا جان نے یہ کیا ہو کہ لاؤ بھتیجے سے بھی مشورہ کرلیں۔ ہم ان کے سررشتہ دار نہیں ہم کو کیا خبر کب ہوگا۔ پس تکوینیات میں بھی اور تشریعیات میں بھی بندہ کو اپنا یہ مذہب رکھنا چاہئیے کہ ؎

رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار ۔۔۔ کار ملک است آں کہ تدبیر وتحمل بایدش (۱)

کارکن کار بگذر از گفتار ۔۔۔ اندریں راہ کار باید کار (۲)

قدم باید اندر طریقت نہ دم ۔۔۔ کہ اصلے ندارد دمِ بے قدم (۳)

اب دعا فرمایئے فہم سلیم وعمل مستقیم کی (پھر دعا کر کے جلسہ ختم کیا) فقط تمت بالخیر (۴)

---

(۱) ''رند عالم سوز یعنی عاشق کو مصلحت بینی سے کیا تعلق اس کو تو محبوب حقیقی کا کام سمجھ کر تحمل وتدبیر چاہیئے''
(۲) ''عمل کرو دعوے کو ترک کرو۔ اس طریق میں عمل وکام ہی کی ضرورت ہے'' (۳) ''یعنی طریقت میں قدم رکھنا چاہئے یعنی عمل کرنا نہ دعویٰ کرنا اس لیے بغیر قدم رکھے عمل کئے دعویٰ کی کچھ اصلیت نہیں'' (۴) اللہ تعالیٰ تمام قارئین کو فہم سلیم وعمل مستقیم عطا فرمائے۔ آمین۔

خلیل احمد تھانوی
۲۶/۴/۲۰۱۹

اخبار الجامعة

محمد منیب صدیقی (ادارہ اشرف التحقیق ۔جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ)

1. رئیس جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ حضرت قاری احمد میاں تھانوی صاحب دامت برکاتہم گذشتہ ماہ مختلف دینی وعلمی نشستوں میں خصوصی شرکت کے لئے کینڈا کے سفر پر تشریف لے گئے ،دار الایمان اسلامک سنٹر آف مرکھم (کینڈا) کی خصوصی دعوت پر محفل قراءت میں بھی شرکت فرمائی۔16 جولائی کو حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم پاکستان سے روانہ ہوئے اور بحمد اللہ تعالیٰ بخیر وعافیت 30 جولائی کو واپس جامعہ پہنچے۔اللہ تعالیٰ حضرت کی سعی وخدمات کو قبول فرمائے۔آمین

2. بحمد اللہ تعالیٰ اس سال جامعہ کے طلباء نے میٹرک پنجاب بورڈ کے امتحانات میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔میٹرک کے امتحان میں شرکت کرنے والے طلباء کی کل تعداد 64 تھی۔سائنس گروپ میں امتحان دینے والے طلباء 53 تھے جن میں کامیابی کی شرح ٪85 رہی جبکہ آرٹس گروپ میں امتحان دینے والے طلباء کی کل تعداد 11 تھی جن میں کامیابی کی شرح ٪91، رہی۔انتہائی حاصل کردہ نمبر سائنس میں 948 اور آرٹس میں 951 ہیں۔

3. حضرت ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی دامت برکاتہم کی دیرینہ کوشش ومحنت کا ثمرہ احکام القرآن کی تفصیلی فہارس علی ترتیب ابواب الفقہیہ اپنی تکمیل کے آخری مراحل میں ہے، بہت جلد ان شاء اللہ قارئین کے ہاتھوں میں ہوگی اور ۱۹ جلدوں کا سیٹ مکمل ہو جائے گا۔اس جلد کی مدد سے مکمل احکام القرآن ایک نظر میں قارئین کے سامنے آجائے گی اور استفادہ نہایت آسان ہو جائے گا، تحقیق کا ذوق رکھنے والے افراد اس تفصیلی فہرست کی مدد سے کوئی بھی فقہی مسئلہ احکام القرآن سے با آسانی تلاش کرسکیں گے۔

4. جون کے مہینہ میں پنجاب قرآن بورڈ کے ایک وفد نے جامعہ کا دورہ کیا اور عالیہ ثانیہ (دورہ حدیث شریف) کے طلباء سے خصوصی ملاقات کی، جس میں قرآن کریم کی پروف ریڈنگ کے قواعد وضوابط اور قانونی پیش رفت پر تفصیلی گفتگو ہوئی۔طلباء واساتذہ کرام کو قرآن کریم کے مثالی مصحف کی تیاری سے متعلق بریفنگ دی۔

5. جامعہ کے شیخ الحدیث و نائب مہتمم حضرت مولانا ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی دامت برکاتہم کی جانب سے حجاج کرام کی راہنمائی کا سلسلہ جاری ہے۔اور جو حضرات بھی فقہی مسائل سے متعلق راہنمائی چاہتے ہوں صبح گیارہ بجے سے دوپہر ایک بجے کے درمیان ادارہ اشرف التحقیق میں آ کر حضرت سے راہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔